



### امام جعفر صادق (ع) اور مسئلہ خلافت

پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق (ع) کا دور امامت بنی امیہ کی حکومت کے آخری ایام اور بنی عباس کے اوائل اقتدار میں شروع ہوتا ہے۔

سیاسی اعتبار سے امام (ع) کے لئے بہترین موقعہ ہاتھ میں آیا۔ بنی عباس نے تو اس موقعہ پر بھر پور طریقے سے فائدہ اٹھا لیا۔ امام (ع) نے ان سنہری لمحوں سے استفادہ کیوں نہیں کیا؟ بنی امیہ کا اقتدار زوال پذیر تھا۔ عربوں اور ایرانیوں، دینی اور غیر دینی حلقوں میں بنی امیہ کے بارے میں شدید ترین مخالفت وجود میں آ چکی تھی۔ دینی حلقوں میں مخالفت کی وجہ ان کا علانیہ طور گناہوں کا ارتکاب کرنا تھا۔ دیندار طبقہ کے نزدیک بنی امیہ فاسق و فاجر اور نالائق لوگ تھے؟ اس کے علاوہ انھوں نے بزرگان اسلام اور دیگر دینی شخصیات پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ انتہائی قابل مذمت اور لائق نفرت تھے۔ اس طرح کی کئی مخالف وجوہات نفرت و اختلاف کا باعث بن چکی تھیں" خاص طور پر امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے بنی امیہ کے ناپاک اقتدار کو خاک میں ملا دیا۔ پھر رہی کسر جناب زید بن علی ابن الحسین اور یحییٰ بن زید کے انقلابات نے نکال دی۔ مذہبی اور دینی اعتبار سے ان کا اثر و رسوخ بالکل ناپید ہو گیا تھا۔ بنی امیہ علانیہ طور پر فسق و فجور کے مرتکب ہوئے تھے، عیاشی اور شرابخوری میں تو انھوں نے بڑے بڑے رنگین مزاج حکمرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اور ان کو لا دین عناصر سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ کچھ حکمران ظلم و ستم کے حوالے سے بہت ظالم و سفاک شمار کیے جاتے تھے ان میں ایک نام سلاطین بنی امیہ کا ہے۔ عراق میں

حجاج بن یوسف اور خراسان میں چند حکمرانوں نے ایرانی عوام پر مظالم ڈھائے۔ وہ لوگ بنی امیہ کے مظالم کو ان مظالم کا سرچشمہ قرار دیتے تھے۔ اس لئے شروع ہی سے اسلام اور خلافت میں تفریق قائم کی گئی خاص طور پر علویوں کی تحریک خراسان میں غیر معمولی طور پر مؤثر ثابت ہوئی۔ اگرچہ یہ انقلابی لوگ خود تو شہید ہو گئے لیکن ان کے خیالات اور ان کی تحریکوں نے مردہ قوموں میں جان ڈال دی۔ اور ان کے نتائج لوگوں پر بہت اچھے مرتب ہوئے۔

جناب زید بن زین العابدین (ع) نے کوفہ کی حدود میں انقلاب برپا کیا وہاں کے لوگوں نے ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور آپ کی بیعت کی، لیکن چند افراد کے سوا کوفیوں نے آپ کے ساتھ وفا نہ کی، جس کی وجہ سے اس عظیم بہادر و جری نوجوان کو بڑی بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ ان ظالموں نے آپ کی قبر پر دو مرتبہ پانی چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کو آپ کی قبر مبارک کے بارے میں پتہ نہ چل سکے، لیکن وہ چند دنوں کے بعد پھر آئے قبر کو کھود کر جناب زید کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا اور کچھ دنوں تک اسی حالت میں لٹکتی رہی اور کہا پر وہ لاش خشک ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ جناب زید کی لاش چار سالوں تک سولی پر لٹکتی رہی۔ جناب زید کا ایک انقلابی بیٹا تھا ان کا نام یحییٰ تھا۔ انہوں نے انقلاب برپا کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور خراسان چلے گئے۔ پھر جناب یحییٰ بنی امیہ کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی چلی گئی۔ آپ کی شہادت کے بعد خراسان کے عوام کو پتہ چلا کہ خاندان رسالت کے ان نوجوانوں نے ایک ظالم حکومت کے خلاف جہاد کیا اور خود اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس زمانے میں خبریں بہت دیر سے پہنچا کرتی تھیں۔ جناب یحییٰ نے امام حسین علیہ السلام اور جناب زید کی شہادت کو از سر نو زندہ کر دیا۔ لوگوں کو بعد میں پتہ چلا کہ آل محمد (ص) نے بنی امیہ کے خلاف کس پاکیزہ مقصد کے تحت قیام کیا تھا۔

مورخین لکھتے ہیں جب جناب یحییٰ شہید ہوئے تو خراسان کے عوام نے ستر روز تک سوگ منایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے انقلابی سوچ رکھنے والے لوگوں کا اثر پہلے ہی سے تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے لوگوں کے اذہان میں انقلابی اثرات گھر کرتے جاتے ہیں۔ ایک انقلابی اپنے اندر کئی انقلاب رکھتا ہے۔ بہر حال خراسان کی سرزمین ایک بڑے انقلاب کیلئے سازگار ہو گئی۔ لوگ بنی امیہ کے خلاف کھلے عام نفرت کرنے لگے۔

بنی امیہ کے خلاف عوامی رد عمل اور بنی عباس:

نے سیاسی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود کو خوب مستحکم و مضبوط کیا، یہ تین بھائی تھے ان کے نام یہ ہیں۔ ابراہیم امام، ابو العباس سفاح اور ابو جعفر منصور یہ تینوں عباس بن عبد المطلب کی اولاد سے ہیں۔ یہ عبد اللہ کے بیٹے تھے۔ عبد اللہ بن عباس کا شمار حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہوتا ہے۔ اس کا علی نام سے ایک بیٹا تھا۔ اور علی کے بیٹے کا نام عبد اللہ تھا" پھر عبد اللہ کے تین بیٹے تھے۔ ابراہیم، ابو العباس سفاح اور ابو جعفر، یہ تینوں بہت ہی با صلاحیت، قابل ترین افراد تھے۔ ان تینوں بھائیوں نے بنی امیہ کے آخری دور حکومت میں بھر پور طریقے سے فائدہ اٹھایا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے خفیہ طور پر مبلغین کی ایک جماعت تیار کی اور پس پردہ انقلابی پروگرام تشکیل دینے میں شب و روز مصروف رہے۔ اور خود حجاز و عراق اور شام میں چھپے رہے، ان کے نمائندے اطراف و اکناف میں پھیل کر امویوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے، خاص طور پر خراسان میں ایک عجیب قسم کا ماحول بن چکا تھا۔ لیکن ان کی تحریک کا پس منظر منفی تھا یہ کسی

اچھے انسان کو اپنے ساتھ نہ ملاتے۔ یہ آل محمد (ص) کے گھرانے میں صرف ایک شخصیت کا نام استعمال کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عوام کی توجہ کا مرکز آل محمد (ص) ہی تھے۔ ان عباسیوں نے ایک کھیل کھیلا کہ ابو مسلم خراسانی کا نام استعمال کیا اس سے ان کا مقصد ایرانی عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔

وہ قومی تعصب پھیلا کر بھی لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے تھے، وقت کی قلت کے پیش نظر میں اس مسئلہ پر مزید روشنی نہیں ڈالنا چاہتا، البتہ میرے اس مدعا پر تاریخی شواہد ضرور موجود ہیں۔ ان کو بھی لوگ بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن بنی امیہ سے نجات حاصل کرنے کیلئے وہ ان کو اقتدار پر لے آنا چاہتے تھے۔ بنی امیہ ہر لحاظ سے اپنا مقام کھو چکے تھے، اگرچہ بنی امیہ ظاہری طور پر خود کو مسلمان کہلاتے تھے۔ لیکن ان کا اسلام سے دور تک واسطہ نہ تھا۔ خراسان میں ان کا اثر و رسوخ بالکل نہ تھا کہ لوگوں کو اس وقت کی حکومت کے خلاف اکٹھا کر سکیں اور خراسان کی فضا میں ایک خاص قسم کا تلاطم پیدا ہو چکا تھا، اگرچہ یہ لوگ چاہتے تھے کہ خلافت اور اسلام ہر دونوں کو اپنے پروگرام سے خارج کر دیں، لیکن نہ کرسکے، اور یہ اسلام کی بقاء اور مسلمانوں کی ترقی کا نام استعمال کر کے آگے بڑھتے گئے اور سال 129 کے پہلے دن مرو کے ایک قصبے "سفید نج" میں اپنے قیام کا رسمی طور پر اعلان کیا۔ عید الفطر کا دن تھا۔ نماز عید کے بعد اس انقلاب کا اعلان کیا گیا، انہوں نے اپنے پرچم پر اس آیت کو تحریر کیا اور اسی آیہ کو اپنے انقلابی اہداف کا ماٹو قرار دیا:

"اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدير" حج، ۳۹۔

جن (مسلمانوں) سے (کفار) لڑا کرتے تھے چونکہ وہ (بہت) ستائے گئے اس وجہ سے انہیں بھی (جہاد کی) اجازت دے دی گئی اور خدا تو ان لوگوں کی مدد پر یقیناً قادر (و توانا) ہے۔

پھر انہوں نے سورہ حجرات کی آیہ نمبر 13 کو اپنے منشور میں شامل کیا ارشاد خداوندی ہے:

یا ایہاالناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔

لوگو ہم نے تو سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکیں اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب سے بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیز گار ہو۔"

اس آیت سے بنی نوع انسان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اسلام اگر کسی کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے تو وہ اس کا متقی ہونا ہے۔ چونکہ اموی خاندان عربوں کو غیر عربوں پر ترجیح دیتے تھے اسلام نے ان کے اس نظریہ کی نفی کر کے ایک بار پھر اپنے دستور کی تائید کی ہے کہ خاندانی و جاہت، مالی آسودگی کو باعث فخر سمجھنے والو! تقویٰ ہی معیار انسانیت ہے۔

ایک حدیث ہے اور اس کو میں نے کتاب اسلام اور ایران کا تقابلی جائزہ میں نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا ہے یا ایک صحابی نے نقل کیا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سفید رنگ کے گوسفند کالے رنگ کے

گوسفند میں داخل ہو گئے اور یہ ایک دوسرے سے ملے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کی اولاد پیدا ہوئی ہے۔ پیغمبر اکرم (ص) نے اس خواب کی تعبیر ان الفاظ میں فرمائی کہ عجمی اسلام میں تمہارے ساتھ شرکت کریں گے، اور آپ لوگوں میں شادیاں کریں گے۔ آپ کی عورتیں ان کے مردوں اور ان کی عورتیں آپ کے مردوں کے ساتھ بیاہی جائیں گی۔ یعنی آپ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رشتے کریں گے۔ میں نے اس جملہ سے یہ سمجھا کہ آپ (ص) نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک روز تم عجم کے ساتھ اور عجم تمہارے ساتھ اسلام کی خاطر جنگ کریں گے یعنی ایک روز تم عجم کے ساتھ جنگ کر کے انہیں مسلمان کریں گے اور ایک روز عجم تمہارے ساتھ لڑیں گے اور تمہیں اسلام کی طرف لوٹائیں گے اس حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ اس قسم کا انقلاب آئے گا۔

بنی عباس انتہائی مضبوط پروگرام اور ٹھوس پالیسی پر عمل کرتے ہوئے تحریک کو پروان چڑھا رہے تھے۔ ان کا طریقہ کار بہت عمدہ اور منظم تھا انہوں نے ابو مسلم کو خراسان اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے بھیجا تھا۔ وہ یہ ہر گز نہیں چاہتے تھے کہ انقلاب ابو مسلم کے نام پر کامیاب ہو بلکہ انہوں نے چند مبلغوں کو خراسان بھیجا کہ جا کر لوگوں میں اچھے انداز میں تقریریں کر کے عوام کو امویوں کے خلاف اور عباسیوں کے حق میں جمع کریں۔ ابو مسلم کے نسب کے بارے میں آج تک معلوم نہیں ہو سکا تاریخ میں تو یہاں تک بھی پتہ نہیں ہے کہ ابو مسلم ایرانی تھے یا عربی؟ پھر اگر ایرانی تھے تو پھر کیا اصفہانی تھے یا خراسانی؟ وہ ایک غلام تھا اس کی عمر 24 برس کی تھی کہ ابراہیم امام نے اس غیر معمولی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اس کو تبلیغ کے لئے خراسان روانہ کیا تا کہ وہ خراسان کے عوام کے اندر ایک انقلاب برپا کر دے۔ اس نوجوان میں قائدانہ صلاحیتیں بھر پور طریقے سے موجود تھیں۔ یہ شخص سیاسی لحاظ سے تو خاصا با صلاحیت تھا لیکن حقیقت میں بہت برا انسان تھا۔ اس میں انسانیت کی بوتل نہ آتی تھی۔ ابو مسلم حجاج بن یوسف کی مانند تھا، اگر عرب حجاج پر فخر کرتے ہیں تو ہم بھی ابو مسلم پر فخر کرتے ہیں۔

حجاج بہت ہی زیرک اور ہوشیار انسان تھا۔ اس میں قائدانہ صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، لیکن وہ انسانیت کے حوالے سے بہت ہی پست اور کمینہ شخص تھا۔ اس نے اپنے زمانہ اقتدار میں بیس ہزار آدمی قتل کیے اور ابو مسلم کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے چھ لاکھ آدمی قتل کیے۔ اس نے معمولی بات پر اپنے قریبی دوستوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ ایرانی ہے یا عربی کہ ہم کہہ سکیں کہ وہ قومی تعصب رکھتا تھا۔

میں نہیں سمجھتا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس تحریک میں کسی قسم کی مداخلت کی ہو، لیکن بنو عباس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کا یہ نعرہ تھا کہ وہ بنی امیہ سے خلافت ہر صورت میں لے کر رہیں گے۔ اس کیلئے وہ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ یہاں پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ بنو عباس کے پاس دو اشخاص ایسے ہیں کہ جو شروع سے لے کر آخر تک تحریک عباسیہ کی قیادت کرتے رہے۔ ایک عراق میں تھا اور وہ پس پردہ کام کر رہا تھا اور دوسرا خراسان میں، اور جو کوفہ میں تھا وہ تاریخ میں ابو سلمہ خلال کے نام سے مشہور ہے اور جو خراسان میں تھا اس کا نام ابو مسلم ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس کو بنی عباس نے خراسان روانہ کیا اور اس نے بہت کم مدت میں بے شمار کامیابیاں سمیٹیں۔ ابو سلمہ کی حیثیت صدر اور ابو مسلم کی ایک وزیر کی تھی۔ یہ پڑھا لکھا شخص، سمجھدار سیاستدان اور بہترین منتظم تھا۔ گفتگو کرتے وقت دوسروں کو متاثر کر دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابو مسلم ابو سلمہ سے حسد کرتا تھا۔ جب اس

نے خراسان میں اپنی تحریک کا آغاز کیا تو ابو سلمہ کو درمیان سے ہٹا دیا اور ابو عباس سفاح کے نام ابو سلمہ کے خلاف ڈھیر سارے خط لکھ ڈالے، اور اس کو خطر ناک شخص کے طور پر متعارف کروایا اور کہا کہ اس کو تحریک سے خارج کر دیجئے۔ اس نے اسی قسم کے خطوط بنی عباس کے مختلف اشخاص کی طرف ارسال کیے۔

لیکن سفاح نے اس کے اس مطالبے کو مسترد کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ مخلصانہ طویل خدمات کے صلے میں ابو سلمہ کے خلاف کسی قسم کا قدم نہیں اٹھا سکتے۔ پھر اعتراض کرنے والوں نے سفاح سے شکایت کی کہ ابو سلمہ اندر سے کچھ ہے اور باہر سے کچھ اور، وہ چاہتا ہے کہ آل عباس سے خلافت لے کر آل ابی طالب (ع) کے حوالے کرے۔ یہ سن کر سفاح نے کہا مجھ پر اس قسم کے الزام کی حقیقت ثابت نہ ہو سکی اگر ابو سلمہ اس طرح کی سوچ رکھتا ہے کہ وہ ایک انسان کی حیثیت سے اس طرح کی غلطی کر سکتا ہے۔ وہ ابو سلمہ کے خلاف جتنی بھی کوششیں کرتا تھا کار گر ثابت نہ ہوتی تھیں۔ کیونکہ ابو سفاح ابو سلمہ اس کو کسی نہ کسی حوالے سے نقصان دے سکتا ہے۔ اس لئے اس نے اس کے قتل کا منصوبہ بنا لیا۔ ابو سلمہ کی عادت تھی کہ وہ سفاح کے ساتھ رات گئے تک رہتا وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے ایک رات وہ سفاح سے ملاقات کر کے واپس آ رہا تھا کہ ابو مسلم کے ساتھیوں اس کو قتل کر دیا۔ چونکہ سفاح کے کچھ آدمی اس قتل میں شریک تھے اس لئے ابو سلمہ کا خون کسی شمار میں نہ آ سکا۔ یہ واقعہ سفاح کے اقتدار کے ابتدائی دنوں میں پیش آیا۔ اس سانحہ کی کچھ وجوہات ہوسکتی ہیں۔ ان میں کچھ محرکات یہ بھی ہیں۔

ابو سلمہ کا خط امام جعفر صادق (ع) اور عبد اللہ محض کے نام:

مشہور مورخ مسعودی نے مروج الذهب میں لکھا ہے کہ ابو سلمہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اس فکر میں مستغرق رہتا تھا کہ خلافت آل عباس سے لے کر آل ابی طالب (ع) کے حوالے کرے۔ اگر چہ وہ شروع میں آل عباس کیلئے کام کرتا رہا۔ 132ھ میں جب بنی عباس نے رسمی طور پر اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی اس وقت ابراہیم امام شام کے علاقہ میں کام کرتا تھا لیکن وہ منظر عام پر نہیں آیا تھا۔ وہ بھائیوں میں سے بڑا تھا۔ اس لئے اس کی خواہش تھی کہ وہ خلیفہ وقت بنے لیکن وہ بنی امیہ کے آخری دور میں خلیفہ مروان بن محمد کے ہتھے چڑھ گیا اور اس کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر اس کے خفیہ ٹھکانے کا کسی کو پتہ چل گیا تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے ایک وصیت نامہ لکھ کر مقامی کسان کے ذریعے اپنے بھائیوں کو بھجوا دیا۔ وہ کوفہ کے نواحی قصبے حمیمہ میں مقیم تھے، اس نے اس وصیت نامے میں اپنے سیاسی مستقبل کے بارے میں اپنی حالیہ پالیسی کے بارے میں اعلان کیا اور اپنا جانشین مقرر کیا اور اس میں اس نے یہ لکھا کہ اگر میں آپ لوگوں سے جدا ہو گیا تو میرا جانشین سفاح ہو گا (سفاح منصور سے چھوٹا تھا) اس نے اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ وہ یہاں سے کوفہ چلے جائیں اور کسی خفیہ مکان میں جاکر پناہ لیں اور انقلاب کا وقت قریب ہے۔ اس کو قتل کر دیا گیا اور اس کا خط اس کے بھائیوں کے پاس پہنچایا گیا۔ وہ وہاں سے چھپتے چھپاتے کوفہ چلے آئے اور ایک لمبے عرصے تک وہیں پہ مقیم رہے۔ ابو سلمہ بھی کوفہ میں چھپا ہوا تھا اور تحریک کی قیادت کر رہا تھا دو تین مہینوں کے اندر اندر یہ لوگ رسمی طور پر ظاہر ہوئے اور جنگ کر کے بہت بڑی فتح حاصل کی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس انقلاب کے بعد ابراہیم امام کو قتل کر دیا گیا۔ حکومت سفاح کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس واقعہ کے بعد ابو سلمہ کو پریشانی لاحق ہوئی اور وہ سوچنے لگا کہ خلافت کیوں نہ آل عباس سے لے کر آل ابی طالب کے حوالے کی جائے۔ اس نے دو علیحدہ علیحدہ خطوط لکھے ایک خط امام جعفر صادق علیہ السلام کی

خدمت میں روانہ کیا اور دوسرا خط عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب (ع) کے نام ارسال کیا۔  
(حضرت امام حسن (ع) کے ایک بیٹے کا نام حسن تھا جسے حسن مثنیٰ سے یاد کیا جاتا ہے یعنی دوسرے حسن، حسن مثنیٰ کربلا میں شریک جہاد ہوئے لیکن زخمی ہوئے اور درجہ شہادت پر فائز نہ ہو سکے۔

اس جنگ میں ان کی ماں کی طرف سے ایک رشتہ داران کے پاس آیا اور عبید اللہ ابن زیاد سے سفارش کی کہ ان کو کچھ نہ کہا جائے۔ حسن مثنیٰ نے اپنا علاج معالجہ کرایا اور صحت یاب ہو گئے۔ ان کے دو صاحبزادے تھے ایک کانام عبد اللہ تھا۔ عبد اللہ ماں کے لحاظ سے امام حسین علیہ السلام کے نواسے تھے اور باپ کی طرف سے امام حسن علیہ السلام کے پوتے تھے۔ آپ دو طریقوں سے فخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ میں دو حوالوں سے پیغمبر اسلام (ص) کا بیٹا ہوں۔ اسی وجہ سے ان کو عبد اللہ محض کہا جاتا تھا۔ یعنی خالصتاً اولاد پیغمبر، عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں اولاد امام حسن علیہ السلام کے سربراہ تھے، جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اولاد امام حسین علیہ السلام کے سربراہ تھے۔

ابو سلمہ نے ایک شخص کے ذریعہ سے یہ دو خطوط روانہ کیے، اور اس کو تاکید کی کہ اس کی خبر کسی کو بھی نہ ہو۔ خط کا خلاصہ یہ تھا کہ خلافت میرے ہاتھ میں ہے۔ خراسان بھی میرے پاس ہے اور کوفہ پر بھی میرا کنٹرول ہے، اور اب تک میری ہی وجہ سے خلافت بنی عباس کو ملی ہے۔ اگر آپ حضرات راضی ہوں تو میں حالات کو پلٹ دیتا ہوں یعنی وہ خلافت آپ کو دے دیتا ہوں۔

امام صادق (ع) اور عبد اللہ محض کا رد عمل:

قاصد وہ خط سب سے پہلے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں لے آیا۔ رات کی تاریکی چھا چکی تھی۔ اس کے بعد عبد اللہ محض کو ابو سلمہ کا خط پہنچایا گیا۔ جب اس نے یہ خط حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو عرض کی مولا یہ خط آپ کے ماننے والے ابو سلمہ کا ہے۔ حضرت نے فرمایا ابو سلمہ ہمارا شیعہ نہیں ہے۔ قاصد نے کہا آپ مجھے ہر صورت میں جواب سے نوازیں۔ آپ نے چراغ منگوا یا آپ نے ابو سلمہ کا خط نہ پڑھا اور اس کے سامنے وہ خط پھاڑ کر جلا دیا اور فرمایا اپنے دوست (ابو سلمہ) سے کہنا کہ اس کا جواب یہی ہے اس کے بعد حضرت نے یہ شعر پڑھا

ایا موقدانارا لغیرک ضوءھا

یا حاطبافی غیر حبلک تحطب

یعنی آگ روشن کرنے والے اور، اس کی روشنی سے دوسرے مستفید ہوں۔ اے وہ کہ جو صحرا میں لکڑیاں اکٹھی کرتا ہے اور تو خیال کرتا ہے کہ یہ تو اپنی رسی میں ڈالی ہیں تجھے یہ خبر نہیں ہے تو نے جتنی بھی لکڑیاں جمع کی ہیں اس کو تیرے دشمن اٹھا کر لے جائیں گے۔"

اس شعر سے حضرت کا مقصد یہ تھا کہ ایک شخص محنت کرتا ہے لیکن اس کی محنت سے استفادہ دوسرے لوگ کرتے ہیں گویا آپ کہہ رہے تھے کہ ابو سلمہ بھی کتنا بد بخت شخص ہے کہ اس نے حکومت کی تشکیل دینے کیلئے بہت زیادہ محنت کی ہے لیکن اس سے فائدہ دوسروں نے اٹھایا ہے یا اس شعر کا مطلب یہ تھا کہ

اگر ہم خلافت کے لئے محنت کرتے ہیں اور وہ نااہل ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔

کتنے افسوس اور دکھ کی بات ہے حضرت نے خط کو جلا دیا اور اس قاصد کو جواب نہ دیا ابو سلمہ کا قاصد وہاں سے اٹھا اور عبد اللہ محض کے پاس آیا اور ان کو ابو سلمہ کا خط دیا۔ عبد اللہ خط کو پڑھ کر بے حد مسرور ہوئے۔ مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ عبد اللہ صبح ہوتے ہی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے در دولت پر آئے۔ امام علیہ السلام نے ان کا احترام کیا، حضرت جانتے تھے کہ عبد اللہ کے آنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا لگتا ہے کہ آپ کوئی نئی خبر لے کر آئے ہیں۔ عبد اللہ نے عرض کی جی ہاں ایسی خبر کہ جس کی تعریف و توصیف بیان نہ کی جاسکے۔ (نعم ہو اجل من ان یوصف) یہ خط ابو سلمہ نے مجھے بھیجا ہے انہوں نے اس خط میں تحریر کیا ہے کہ خراسان کے تمام شیعہ اس بات پر مکمل طور پر تیار ہیں کہ خلافت و ولایت ہمارے سپرد کردیں۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ ان کی یہ پیشکش قبول کر لوں۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

"ومتی کان اهل خراسان شیعة لك؟"

خراسان والے آپ کے شیعہ کب بنے ہیں؟

انت بعثت ابا مسلم الی خراسان؟

کیا آپ نے ابو مسلم کو خراسان بھیجا ہے؟

آپ نے خراسان والوں سے کہا ہے کہ وہ سیاہ لباس پہنیں اور ماتمی لباس کو اپنا شعار بنائیں۔ کیا یہ خراسان سے آئے ہیں یا لائے گئے ہیں؟ تم تو ایک آدمی کو بھی نہیں پہچانتے؟ امام علیہ السلام کی باتیں سن کر عبد اللہ ناراض ہو گئے۔ انسان جب کوئی چیز پسند کرے اور اس کی خوشخبری سننے کے بعد کوئی اور بات سننا گوار نہیں کرتا۔ گویا یہ انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ اس نے حضرت امام جعفر صادق سے بحث کرنی شروع کردی اور حضرت سے کہا کہ آپ کیا چاہتے ہیں:

"انما یرید القوم ابنی محمدا لانہ مہدی ہذہ الامۃ"

یہ میرے بیٹے محمد کو خلافت دینا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اس امت کا امام مہدی آپ کا بیٹا محمد نہیں ہے اگر اس نے قیام کیا تو قتل کیا جائے گا۔ یہ سن کر عبد اللہ اظہار ناراضگی کرتے ہوئے بولا آپ خواہ مخواہ ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا بخدا ہم تمہاری خیر خواہی اور بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔ آپ کا مقصد کبھی پورا نہیں ہو گا۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بخدا ابو سلمہ نے بالکل اسی طرح کا خط ہماری طرف بھی روانہ کیا ہے لیکن ہم نے پڑھنے کی بجائے اس کو آگ میں جلا دیا۔ عبد اللہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ ان حالات کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت سیاسی فضا کس قدر مکدر تھی، بنی عباس کی تحریک کامیاب ہوتی ہے؟ ابو مسلم اس وقت خاصا فعال ہوتا ہے۔ اور وہ ابو سلمہ جیسے انقلابی شخص کو قتل کرا دیتا ہے۔ سفاح بھی اس کی حمایت کرنے لگ جاتا ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ ابو سلمہ کا قاصد ابھی مدینہ سے کوفہ نہ پہنچا تھا کہ ابو سلمہ قتل ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے عبداللہ

محض کا جواب ابو سلمہ کے ہاتھوں تک نہ پہنچ سکا۔

ایک تحقیق:

اس واقعہ کو جس خوبی کے ساتھ مسعودی نے لکھا ہے اتنا اور کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ میرے نزدیک ابو سلمہ کا مسئلہ بہت واضح ہے کہ وہ شخص سیاستدان تھا۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شیعوں میں ہر گز نہ تھا۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ وہ ایک مرتبہ آل عباس کیلئے کام کرتا ہے اور دوسری مرتبہ وہ اپنی پالیسی بدل لیتا ہے۔ دراصل عوام کی اکثریت یہ نہیں چاہتی تھی کہ خلافت خاندان رسالت سے باہر کسی دوسرے شخص کے پاس جائے۔ آل ابی طالب میں دو شخصیات اہم شمار کی جاتی تھیں ایک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور دوسرے جناب عبد اللہ محض، ابو سلمہ ان دونوں شخصیات کے ساتھ دینداری اور خلوص کی وجہ سے یہ کام نہیں کر رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ خلافت بدلنے سے اس کے ذاتی مفادات محفوظ رہیں۔ ابھی اس کو امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبد اللہ محض کی طرف سے جواب موصول نہ ہوا تھا کہ ابو سلمہ قتل ہو گیا۔ جب میں یہ بات کرتے ہوئے لوگوں کو سنتا ہوں تو مجھے حیرانگی ہوتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو سلمہ کے خط کا جواب کیوں نہیں دیا تھا اور اس کی دعوت قبول کیوں نہیں کی تھی؟ اسکا جواب بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی حالات سازگار نہ تھے۔

صورت حال نہ روحانی لحاظ سے اچھی تھی اور نہ ظاہری لحاظ سے بہتر تھی بلکہ امام علیہ السلام نے جو بھی اقدامات کیے وہ حقیقت پر مبنی تھے ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے شروع ہی سے بنی عباس کی کسی قسم کی حمایت نہیں کی۔ دراصل آپ نہ امویوں کے حق میں تھے اور نہ عباسیوں کے حق میں۔ یہ دو خاندان اور موروثی حکمران ذاتی مفاد کے علاوہ کوئی سوچ نہ رکھتے تھے۔ ہم نے کتاب الفرج اصفہانی سے استفادہ کیا۔ اس سلسلے میں جتنی ابو الفرج نے تفصیل لکھی ہے اتنا اور کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ ابو الفرج اموی مورخ تھے۔ اور سنی المذہب تھے ان کو اصفہان میں سکونت رکھنے کی وجہ سے اصفہانی کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ اصفہانی نہ تھے بلکہ اموی تھے اگرچہ یہ اموی مورخ تھے لیکن انہوں نے تاریخ نویسی میں اعتدال قائم رکھا اس لئے جناب شیخ مفید (رح) نے اپنی کتاب ارشاد میں ابو الفرج سے روایات نقل کی ہیں۔

ہاشمی رہنماؤں کی خفیہ میٹنگ:

در اصل بات یہ ہے کہ شروع میں یہ طے پایا تھا کہ امویوں کے خلاف تحریک شروع کی جائے۔ بنی ہاشم کے سرکردہ لیڈر ابواء مقام پر جمع ہو گئے تھے۔ یہ مقام مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ (ابواء یہ ایک تاریخ جگہ ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں پیغمبر اکرم (ص) کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا تھا۔) حضور (ص) پاک کی عمر پانچ سال کے لگ بھگ تھی بی بی اپنے اس عظیم صاحبزادے کو اپنے ہمراہ لائی تھیں۔ حضرت آمنہ کے رشتہ دار مدینہ میں آباد تھے۔ اس لئے حضور پاک مدینہ والوں کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتے تھے۔ بی بی مدینہ سے ہو کر واپس مکہ جا رہی تھیں کہ راستہ میں مریض ہوئیں اور وہیں پر انتقال فرمایا اس جگہ کو مورخین نے ابواء کے نام سے یاد کیا ہے۔ حضور پاک (ص) اپنی ماں کی کنیز خاص بی بی ام ایمن کے ساتھ مدینہ چلے گئے اور آپ کی والدہ ماجدہ کو ابواء ہی میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ نے عالم غربت میں اپنی عظیم ماں کی المناک

رحلت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عمر بھر آپ اس غم کو نہ بھلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ 53 سال کی عمر میں مدینہ واپس لوٹ آئے اور اپنی زندگی کے آخری دس سال مدینہ ہی میں گزارے۔ آپ ایک موقع پر اثناء سفر میں ابواء نامی جگہ سے گزرے تو آپ چند لمحوں کیلئے اپنے صحابہ سے جدا ہو گئے اور ایک خاص جگہ پر رک گئے۔ دعا پڑھی اس کے بعد زار و قطار رونے لگے۔ صحابہ کرام نے تعجب کیا کہ حضور پاک (ص) رونے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میری والد ماجدہ کی قبر اطہر ہے۔ آج سے پچاس سال قبل جب میں پانچ سالہ بچہ تھا تو یہیں پر والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تھا۔ آپ پچاس سالوں کے بعد اس مقام پر گئے اور دعا پڑھی اور اس کے بعد اپنی انتہائی عزیز ترین ماں کی یاد میں بہت ہی زیادہ روئے۔ "چنانچہ ابواء کے مقام پر ہونے والی خفیہ میٹنگ میں اولاد امام حسن (ع) عبد اللہ محض اور آپ کے دونوں صاحبزادے محمد و ابراہیم موجود تھے۔ اسی طرح بنی عباس کی نمائندگی کرتے ہوئے ابراہیم امام، ابو العباس سفاح، ابو جعفر منصور اور ان کے چند بزرگوں نے شرکت کی۔ اس وقت عبد اللہ محض نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ اے بنی ہاشم! اس وقت لوگوں کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اور عوام کی آپ سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں پر اکٹھے ہونے کا موقعہ بخشا ہے لہذا سب مل جل کر اس نوجوان (عبد اللہ محض کے بیٹے) کی بیعت کریں۔ ان کو اپنی تحریک کا قائد منتخب کریں۔ اور امویوں کے خلاف وسیع پیمانے پر جنگ کا آغاز کریں۔ یہ واقعہ ابو سلمہ کے واقعات سے پہلے کا ہے۔ تقریباً انقلاب خراسان سے بارہ سال قبل۔ اس وقت اولاد امام حسن علیہ السلام اور بنو عباس کی مشترکہ خواہش تھی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو کر امویوں کا مقابلہ کریں۔

محمد نفس زکیہ کی بیعت:

بنی عباس کا شروع سے یہی پروگرام تھا کہ وہ آل علی علیہ السلا میں ایسے نوجوان کو اپنے ساتھ ملائے رکھیں کہ جو لوگوں میں مقبول ہو اور لوگ اس کی وجہ سے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے ہوں۔ جب ان کی تحریک کامیاب ہو جائے گی تو اس نوجوان کو درمیان میں سے ہٹا دیا جائے گا۔ اس کام کیلئے انھوں نے محمد نفس زکیہ کو منتخب کیا۔ محمد جناب عبد اللہ محض کے صاحبزادے تھے۔ عبد اللہ بہت ہی متقی اور پرهیز گار اور انتہائی خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا بیٹا محمد کردار و گفتار اور شکل و صورت میں ہو بہو اپنے باپ کی تصویر تھا۔ اسلامی روایات میں ہے کہ جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے تو اولاد پیغمبر (ص) میں سے ایک نوجوان ظاہر ہوتا ہے اور اپنے جد امجد کی طرح اسی کا نام بھی محمد ہو گا اسی طرح اسلامی تحریکیں چلتی رہیں گی اور اولاد زہرا (ع) میں سے ایک سید زادہ انقلابی جد وجہد کی قیادت کرتا رہے گا۔ اولاد امام حسن علیہ السلام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ امت کا مہدی یہی محمد ہے۔ بنو عباس کے نزدیک بھی یہی محمد مہدی کے طور پر نمودار ہوئے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے سازش کر کے ان کو مہدی وقت مان لیا ہو؟

بہر حال ابو الفرج نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ محض نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا ہمیں متحد ہو کر ایک ایسے نوجوان کی قیادت میں کام شروع کر دینا چاہیے کہ جو اس مظلوم ملت کو ظالموں کے شکنجوں سے نجات دے سکے۔ اس کے بعد بولے ایہا الناس اے لوگو! میری بات غور سے سنو ان ابنی ہذا ہو المہدی کہ میرا بیٹا محمد ہی مہدی دوراں ہے۔ آپ سب مل کر ان کی بیعت کریں۔ اس اثناء میں منصور بولا کہ مہدی کے عنوان سے نہیں البتہ یہ نوجوان موجودہ دور میں قیادت کے فرائض احسن طریقے سے نبھا سکتا ہے۔ آپ سچ

کہہ رہے ہیں ہم سب کو اس نوجوان کی بیعت کرنی چاہیے۔ میٹنگ کے تمام شرکاء نے ایک زبان ہو کر اس کی تصدیق کی اور ایک ایک کر کے انہوں نے محمد کی بیعت کی۔ اس کے بعد انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ آپ بھی تشریف لائیں۔ جب حضرت تشریف فرما ہوئے سب نے حضرت کا استقبال کیا۔ عبد اللہ محض جو صدر مجلس تھے نے اپنے پہلو میں حضرت کو جگہ دی۔ اس کے بعد انہوں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں رپورٹ پیش کی اور کہا جیسا کہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ملکی و سیاسی حالات مخدوش ہیں لہذا وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص اٹھے اور امت و ملت کی قیادت کرے۔ اس میٹنگ کے تمام شرکاء نے میرے بیٹے محمد کی بیعت کی ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک مہدی دوراں یہی محمد ہی ہیں۔ لہذا آپ ان کی بیعت کریں۔ فقال جعفر لا تفعلوا امام علیہ السلام نے فرمایا نہیں تم ایسا نہ کرو:

فان هذا الامر ثم يات بعد ان كنت ترى ان ابنك هذا هو المهدى فليس به ولا هذا اوانه

رہی بات مہدی علیہ السلام کے ظہور کی تو یہ وقت ظہور نہیں ہے۔ اے عبداللہ اگر تم خیال کرتے ہو کہ تمہارا یہ بیٹا محمد مہدی ہے تو تم سخت غلطی پر ہو، تمہارا بیٹا ہر گز مہدی نہیں ہے اس وقت مہدی علیہ السلام کا مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کی آمد اور ظہور کا وقت ہوا ہے۔"

وان كنت انما يريد ان تخرجه غضبا لله وليامر بالمعروف وينه عن المنكر فانا والله لا ندعك فانت شيخنا ونباع ابنك في الامر "

حضرت نے اپنا موقف واضح کرتے ہوئے فرمایا اگر تم مہدی کے نام پر بیعت لے رہے ہو تو میں ہرگز بیعت نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ سراسر جھوٹ ہے یہ مہدی نہیں ہے اور نہ ہی مہدی (ع) کے ظہور کا وقت ہوا ہے لیکن اگر آپ نیکی کے فروغ اور برائیوں اور ظلم کے خاتمے کے لئے جہاد کریں گے تو ہم آپ لوگوں کا ہر طرح سے ساتھ دیں گے۔"

امام علیہ السلام کے اس فرمان سے آپ کا موقف کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ آپ نے نیکیوں کی ترویج اور برائیوں کے خاتمے کے لئے ساتھ دینے کا وعدہ تو کیا لیکن آپ نے ان کی غلط پالیسیوں کی مخالفت کر دی کہ یہ محمد مہدی نہیں ہے۔ جب آپ نے بیعت کا انکار کیا تو عبد اللہ ناراض ہو گئے۔ جب آپ نے عبد اللہ کی ناراضگی کو دیکھا تو فرمایا دیکھو عبد اللہ میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ تمہارا بیٹا محمد مہدی نہیں ہیں ہم اہل بیت کے نزدیک یہ ایک ایسا راز ہے کہ جس کو ہم ہی جانتے ہیں ہمارے سوا کوئی اور نہیں جانتا کہ وقت کا امام کون ہے اور مہدی (ع) کون ہو گا؟ یاد رکھو تمہارا یہ بیٹا بہت جلد قتل کر دیا جائے گا۔ ابو الفرج نے لکھا ہے کہ عبد اللہ سخت ناراض ہوئے اور کہا خیر آپ نے جو کھنا تھا کہہ دیا لیکن ہمارا نظریہ یہی ہے کہ محمد مہدی وقت ہے، آپ حسد اور خاندانی رقابت کے باعث اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔

فقال والله ماذاك يحملنى ولكن هذا واخوته وابنائهم دونكم وضرب يده ظهر ابي العباس

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا دست مبارک ابو العباس کی پشت پر مارتے ہوئے فرمایا یہ بھائی مسند خلافت پر فائز ہو جائیں گے اور آپ اور آپ کے بیٹے محروم رہیں گے۔"

اس کے بعد آپ نے عبداللہ حسن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

"ما ہی الیک و لا الی ابنیک"

تم اور تمہارے بیٹے خلافت تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

ان کو قتل ہونے سے بچائیے۔ بنو عباس آپ کو خلافت تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ اور تمہارے دونوں بیٹے قتل کر دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے اپنا ایک ہاتھ عبدالعزیز عمران زہری کے کندھے پر رکھتے ہوئے اس سے کہا:

"ارایت صاحب الرداء الاصغر؟"

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے سبز قبا پہنی ہوئی تھی؟"

(آپ کی اس سے مراد ابو جعفر منصور تھی) وہ بولا نعم جی ہاں آپ نے فرمایا خدا کی قسم ہم جانتے ہیں کہ یہی شخص مستقبل قریب میں عبد اللہ کے بیٹوں کو قتل کر دے گا۔

یہ سن کر عبد العزیز سخت متعجب ہوا اور اپنے آپ سے کہنے لگا یہ لوگ آج تو اس کی بیعت کر رہے ہیں اور کل اسے قتل کر دیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں عبد العزیز ایسا ہی ہو گا عبد العزیز نے کہا میرے دل میں تھوڑا سا شک گزرا ہو سکتا ہے امام علیہ السلام نے حسد وغیرہ کی وجہ سے ایسا کہا ہو لیکن خدا کی قسم میں نے اپنی زندگی ہی میں دیکھ لیا کہ ابو جعفر منصور نے عبد اللہ کے دونوں بیٹوں کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام محمد سے بے حد پیار کرتے تھے۔ ابو الفرج کے بقول

کان جعفر بن محمد اذا رای محمد بن عبداللہ بن الحسن تغر غرت عیناہ

کہ امام علیہ السلام کی نگاہ مبارک جب محمد پر پڑتی تو آپ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو چھلک پڑتے اور فرمایا کرتے:

بنفسی هو ان الناس فيقولون فيه انه لمقتول ليس هذا في كتاب علي من خلفاء هذه الامة

میری جان قربان ہو اس پر لوگ جو اس کے بارے میں مہدی ہونے کے قائل ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ یہ نوجوان قتل کیا جائے گا ہمارے پاس حضرت علی علیہ السلام کی ایک کتاب موجود ہے اس میں محمد کا نام خلفاء میں شامل نہیں ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں تحریک کا آغاز ہی مہدویت کے نام پر ہوا ہے لیکن امام جعفر صادق (ع) نے اس کی سخت مخالفت کی اور فرمایا اگر یہ تحریک نیکیوں کے فروغ اور برائیوں کے خاتمہ کے لئے ہے تو پھر ہم اس کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کریں گے لیکن ہم محمد کو مہدی کے طور پر تسلیم نہیں کرسکتے، رہی بات بنو عباس کی تو ان کا مطمع نظر سیاسی و حکومتی مفادات حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

امام جعفر صادق (ع) کے دور امامت کی چند خصوصیات:

یہاں پر ہم جس لازمی نکتے کا ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور امامت اسلامی خدمات کے حوالے سے بے نظیر اور بہترین دور ہے۔ آپ کے دور میں مختلف قسم کی تحریکوں نے جنم لیا، بے شمار انقلابات رونما ہوئے۔ امام علیہ السلام کے والد گرامی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا انتقال 114 کو ہوا۔ آپ اس وقت امام وقت مقرر ہوئے اور 148 تک زندہ رہے۔ ظہور اسلام سے لیکر اب تک دو تین نسلیں حلقہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ سیاسی و تمدنی لحاظ سے بے تحاشا ترقی ہوئی۔ اور کچھ ایسی جماعتیں بھی وجود میں آئیں جو خدا کی منکر تھیں۔ زندیق اس دور میں رونما ہوئے یہ لوگ خدا، دین اور پیغمبر کے مخالف تھے۔ بنی عباس کی طرف سے ان بے دین عناصر کو ہر لحاظ سے آزادی حاصل تھی۔ صوفیاء بھی اسی دور میں ظاہر ہوئے اور کچھ ایسے فقہا بھی پیدا ہوئے کہ جو فقہ کو قیاس کی طرف لے گئے۔ اس دور میں مختلف نظریات رکھنے والے لوگ، جماعتیں پیدا ہوئیں۔ اس نوع کی تبدیلی اور جدت و ندرت پہلے ادوار میں نہ تھی۔

امام حسین (ع) اور امام جعفر صادق (ع) کے زمانوں کا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے دور میں بہت زیادہ گھٹن تھی اور مشکل ترین دور تھا اس لئے امام عالی مقام نے اپنے دور امامت میں حدیث کے پانچ چھ جملے بیان فرمائے اس کے علاوہ کوئی حدیث نظر نہیں آتی، لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور امام تعلیمی و تربیتی حوالے سے بہترین دور تھا۔ آپ نے فرصت کے ان لمحوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت کم مدت میں چار ہزار فضلاء تیار کیے۔ لہذا اگر ہم فرض کریں (جو کہ غلط ہے) کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو وہی حالات پیش آتے جو امام حسین علیہ السلام کو پیش آئے تھے تو پھر بھی امام جعفر صادق علیہ السلام علمی کارنامے انجام دیتے؟ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ آئمہ طاہرین کی حیات طیبہ کا انداز ایک جیسا ہوتا ہے اور آپ کی شہادت وہی رنگ لاتی جو کہ امام حسین (ع) کی لائی ہے۔ اگر چہ آپ ایک وقت درجہ شہادت پر فائز بھی ہوئے لیکن آپ کو قدرت نے خوب موقعہ فراہم کیا کہ آپ نے علمی و دینی لحاظ سے غیر معمولی کارنامے سر انجام دیئے۔ آج امام جعفر صادق علیہ السلام کا نام پوری دنیا میں ایک بہت بڑے مصلح کے طور پر مانا جانا جاتا ہے۔

ابو سلمہ کو وزیر آل محمد (ع) اور ابو مسلم کو امیر آل محمد (ص) کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ یہی نوجوان امویوں کی حکومت کے خاتمے کا باعث بنے اگرچہ انہوں نے عباسیوں کو اقتدار حکومت سونپنے میں بھرپور کردار ادا کیا تاہم ابو سلمہ ایسا نوجوان ہے کہ جو آخر میں اس چیز کی خواہش رکھتا تھا کہ اقتدار آل علی (ع) کو منتقل کیا جائے۔ انہوں نے اسی مقصد کی تکمیل کیلئے ایک خط امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبد اللہ محض کے نام بھی ارسال کیا تھا ان دونوں شخصیات میں عبد اللہ حکومت ملنے پر خوش اور آمادہ تھے لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو سلمہ کی اس پیش کش کو ذرہ بھر اہمیت نہ دی۔ یہاں تک آپ نے اس کے خط کو بھی نہ پڑھا جب آپ کی خدمت میں چراغ لایا گیا تو امام علیہ السلام نے اس خط کو نہ فقط پھاڑ دیا بلکہ اسے جلا بھی دیا اور فرمایا اس خط کا جواب یہی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے سیاسی و حکومتی امور میں دلچسپی لینے اور ان میں مداخلت کرنے کی بجائے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور آپ اقتدار کو سنبھالنے کی ذرا بھر خواہش نہ رکھتے تھے اور نہ ہی اس کے

لئے کسی قسم کی کوشش کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام اگر کوشش کرتے تو اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے تھے۔ اس کے باوجود آپ خاموش کیوں رہے؟ اس عدم دلچسپی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ جبکہ فضا بھی امام کے حق میں تھی۔ بالفرض اگر اس مقصد کے لئے آپ شہید بھی ہو جاتے تو شہادت بھی آل محمد (ص) کے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے۔ ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے، ایک بار پھر ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہمہ جہت شخصیت کے بارے میں کچھ روشنی ڈالتے ہیں تا کہ حقیقت پوری طرح سے روشن ہو جائے۔ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ اگر امام حسین علیہ السلام اس دور میں ہوتے تو آپ کا انداز زندگی بالکل امام جعفر صادق علیہ السلام اور دیگر آئمہ طاہرین (ع) جیسا ہوتا چونکہ امام حسین علیہ السلام اور دیگر اماموں کے دور ہائے امامت میں فرق تھا اس لئے ہر امام نے مصلحت و حکمت عملی اپناتے ہوئے امن و آشتی کا راستہ اختیار کیا۔ ہماری گفتگو کا محور یہ نہیں ہے کہ امام علیہ السلام نے اقتدار کیوں نہیں قبول کیا؟ بلکہ بات یہ ہے کہ آپ چپ کیوں رہے اور میدان جنگ میں آ کر اپنی جان جان آفرین کے حوالے کیوں نہیں کی؟

امام حسین (ع) اور امام صادق (ع) کے ادوار میں باہمی فرق:

ان دو اماموں کا آپس میں ایک صدی کا فاصلہ ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سال 61 ہجری کو ہوئی اور امام صادق علیہ السلام کی شہادت 148 کو واقع ہوئی گویا ان دو اماموں کی شہادتیں 87 سال ایک دوسرے سے فرق رکھتی ہیں۔ اس مدت میں زمانہ بہت بدلا، حالات نے کروٹ لی اور دنیائے اسلام میں گونا گوں تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے دور میں صرف ایک مسئلہ خلافت تھا کہ جس پر اختلاف ہوا دوسرے لفظوں میں ہر چیز خلافت میں سموئی ہوئی تھی، اور خلافت ہی کو معیار زندگی سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت اختلاف کا مقصد اور بحث کا ما حاصل یہ تھا کہ کس کو "امیر امت" متعین کیا جائے اور کس کو نہ کیا جائے۔ اسی وجہ سے خلافت کا تصور زندگی کے تمام شعبوں پر محیط تھا۔ معاویہ سیاسی لحاظ سے بہت ہی طاقتور اور ظالم شخص تھا۔ اس کے دور حکومت میں سانس لینا بھی مشکل تھا۔ لوگ حکومت وقت کے خلاف ایک جملہ تک نہ کہہ سکتے تھے۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت میں کوئی حدیث بیان کرنا چاہتا تو وہ اپنے اندر خوف محسوس کرتا تھا اور اس کو دھڑکا سا لگا رہتا کہ کہیں حکومت وقت کو پتہ نہ چل جائے۔ نماز جمعہ کے اجتماعات میں حضرت علی علیہ السلام پر کھلے عام تبرا کیا جاتا تھا۔ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں منبر پر حضرت امیر علیہ السلام پر (نعوذ باللہ) لعنت کی جاتی تھی۔ جب ہم امام حسین علیہ السلام کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کا موسم کس قدر پتھریلا اور سخت تھا؟

کیسا عجیب دور تھا کہ امام حسین علیہ السلام جیسے امام سے ایک حدیث، ایک جمعہ، ایک مکالمہ ایک خطبہ اور ایک تقریر اور ایک ملاقات کا ذکر نہیں ہے۔ عجیب قسم کی گھٹن تھی۔ لوگوں کو آپ سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ آپ نے پچاس سالوں میں کتنی تلخیاں دیکھیں۔ کتنی پابندیاں برداشت کیں۔ یہ صرف امام حسین علیہ السلام ہی جانتے ہیں یہاں تک آپ سے تین جملے بھی حدیث کے نقل نہیں کیے گئے۔ آپ ہر لحاظ سے مصائب میں گھرے ہوئے تھے۔ یہ دور بھی گزر گیا جانے والے چلے گئے اور آنے والے آگئے بنی امیہ کی حکومت ختم ہوئی اور بنو عباس کی حکومت شروع ہوئی اس وقت لوگوں میں علمی و فکری لحاظ سے کافی تبدیلی ہو چکی تھی۔ لوگ فکری لحاظ سے آزادی محسوس کرتے تھے۔ اس دور میں جس تیزی سے علمی و فکری ترقی ہوئی

اس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت پر وسیع پیمانے پر کام ہونے لگا مثال کے طور پر علم قرات، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور دیگر ادبی سرگرمیاں عروج پر ہونے لگیں یہاں تک کہ طب، فلسفہ، نجوم اور ریاضی وغیرہ جیسے علوم منظر عام پر آنے لگے۔

یہ سب کچھ تاریخ میں موجود ہے کہ حالات کا رخ بدلنے سے لوگوں میں علمی و فکری شعور پیدا ہوا۔ باصلاحیت افراد کو اپنی صلاحیتیں آزمانے کا موقع ملا۔ یہ علمی فضا اور تعلیمی ماحول امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانوں سے قبل وجود تک نہ رکھتا تھا۔ یہ سب کچھ صرف حالات بدلنے سے ہوا کہ لوگ اچانک علم و عمل، فکر و نظر کی باتیں سننے لگے اور پھر کیا ہوا کہ چہار سو علم کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔ اب اگر بنو عباس پابندی عائد کرنا بھی چاہتے تو ان کے بس سے باہر تھا۔ کیونکہ عربوں کے علاوہ دوسری قومیں مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ ان قوموں میں ایرانی غیر معمولی حد تک روشن فکر تھے۔ ان میں جوش و جذبہ بھی تھا اور علمی صلاحیت بھی۔ مصری اور شامی لوگ بھی فکری اعتبار سے خاصے زرخیز تھے۔ ان علاقوں میں دنیا کے مختلف افراد آ کر آباد ہوئے۔ پھر دنیا کے لوگوں کی آمد و رفت نے اس خطے کو علم و ادب کا گہوارا بنا دیا۔ مختلف قومیں، مختلف نظریات اور پھر بحث مباحثوں سے فضا میں حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی۔ یہاں پر اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ لوگ چاہتے تھے کہ اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں۔ دوسری طرف عرب قرآن مجید میں کچھ زیادہ غور و خوض نہ کرتے تھے، لیکن دوسری قوموں میں قرآنی تعلیمات حاصل کرنے کے بارے میں بہت زیادہ جذبہ کار فرما تھا۔ اس دور میں قرآن مجید کے ترجمہ، تفسیر اور مفاہیم پر خاصہ کام ہوا اور لوگ قرآن مجید کو بنیادی حیثیت دے کر بات کرتے تھے۔

### نظریات کی جنگ:

اچانک پھر کیا ہوا کہ عقائد و نظریات کا بازار گرم ہو گیا، سب سے پہلے تو تفسیر قرآن، قرات اور آیات قرانی پر بحث ہونے لگی۔ ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی کہ جو لوگوں کو علم قرات، اور الفاظ، حروف کی صحیح ادائیگی کے بارے میں تعلیم دینے لگی، اس وقت قرآن مجید کی اشاعت و طباعت ایسی نہ تھی کہ جیسا کہ ہمارے دور میں ہے۔ ان میں سے ایک شخص کہتا تھا میں قرات کرتا ہوں اور یہ روایت فلاں بن فلاں صحابی سے نقل کرتا ہوں اور ان کی اکثریت حضرت علی علیہ السلام تک پہنچتی تھی۔ دوسرے افراد مختلف شخصیات سے روایت کرتے اسی طرح بحثوں اور مذاکروں کا سلسلہ عروج تک جا پہنچا۔ یہ لوگ مساجد میں جاکر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے۔ عربوں کی نسبت غیر عرب زیادہ شوق و ذوق سے شرکت کرتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عجمی لوگ قرآن مجید کو پڑھنے اور سمجھنے میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ ایک قرات کے استاد مسجد میں آ کر لوگوں کو درس قرآن دیتے اور ان کے ارد گرد لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو جاتا۔ اتفاق سے قرات میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا پھر قرآن مجید کے معانی پر اختلاف پیدا ہو گیا، کوئی کچھ معنی کرتا اور کوئی کچھ۔ اسی طرح احادیث کے بارے میں بھی مختلف آراء تھیں۔ حافظ احادیث کو بہت زیادہ احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ مساجد و محافل میں بڑے فخر و انبساط سے احادیث نقل کرتا اور لوگوں کو نئے اسلوب کے ساتھ حدیثیں بیان کرتا۔ نقل احادیث کے مراحل بھی بیان کرتا کہ یہ حدیث میں نے فلاں سے سنی اور اس نے فلاں سے اور فلاں نے پیغمبر اکرم (ص) سے نقل کی ہے پھر اس کا معنی و مفہوم یہ ہے۔

ان میں قابل احترام طبقہ فقہاء کا تھا لوگ ان سے فقہی مسائل پوچھتے تھے جیسا کہ اب بھی لوگ علماء سے شرعی و فقہی مسائل دریافت کرتے ہیں۔ فقہاء کی ایک کثیر تعداد مختلف علاقوں میں پھیل گئی۔ لوگوں کو آسان طریقے سے بتایا جاتا تھا کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام یہ چیز پاک ہے اور یہ نجس یہ کاروبار صحیح ہے اور یہ ناجائز وغیرہ وغیرہ، مدینہ بہت بڑا علمی مرکز تھا اور دوسرا بڑا مرکز کوفہ میں قائم تھا۔ جناب ابو حنیفہ کوفہ میں تھے بصرہ بھی علمی لحاظ سے کافی اچھی شہرت کا حامل تھا۔ اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں اندلس فتح ہوا تو یہاں پر بھی علمی مرکز قائم ہو گیا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہر اسلامی شہر علم و عمل کا مرکز کھلاتا تھا کہا جاتا تھا کہ فلاں فقیہ کا یہ نظریہ ہے اور فلاں فقیہ یہ فرماتے ہیں مختلف مکاتب فکر کی موجودگی میں اختلاف رائے کا پیدا ہونا ضروری امر تھا۔ چنانچہ فقہی میدان میں بھی عقائد کی جنگ چھڑ گئی اور یہ روز بروز زور پکڑتی گئی۔ ان تمام اختلافات سے بڑھ کر اختلاف "علم کلام" کا تھا۔

پہلی صدی ہی میں متکلم حضرات کی آمد شروع ہوگئی جیسا کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں دیکھتے ہیں کہ "متکلمین" آپس میں بحث مباحثہ کرتے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعض شاگرد علم کلام میں خاص مہارت رکھتے تھے اور اعتراض کرنے والوں کو بڑے شائستہ طریقے سے جواب دیتے تھے۔ یہ لوگ خدا، صفات خدا اور قرآن مجید کی ان آیات سے متعلق بحث و تمحیص کرتے جو خدا کے بارے میں ہوا کرتی تھیں۔ کہا جاتا تھا کہ خدا کی فلاں صفت عین ذات ہے یا نہیں، کیا وہ حادث ہے یا قدیم؟ نبوت اور وحی کے بارے میں بحث کی جاتی تھی، شیطان کو بھی بحث میں لایا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے اس کا کام کیا ہے اور اس کے شر سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ پھر ایمان اور عمل پر روشنی ڈالی جاتی قضا و قدر، جبر و اختیار پر گفتگو ہوتی۔ غرض کہ علم کلام کے ماہرین کے مابین نوک جھونک ہوتی رہتی اور مباحثوں کا یہ طویل سلسلہ بڑھتا چلا گیا اور آج تک موجود ہے اور قیامت تک رہے گا لیکن بحث کے وقت انسان انتہا پسندانہ رویے کو ترک کر کے صلح و آشتی اور پرامن رویے کو اپنے سامنے رکھے۔ ان بحثوں کا نتیجہ تھا کہ ایک خطر ناک ترین گروہ پیدا ہو گیا۔ ان کو آپ زندیق، لا مذہب کہہ سکتے ہیں۔ یہ لوگ خدا اور ادیان کے قائل نہ تھے۔ ان کو ہر لحاظ سے مکمل آزادی تھی، یہ مکہ و مدینہ، مسجد الحرام یہاں تک مسجد الحرام اور مسجد النبی میں بیٹھ کر اپنے عقائد کی ترویج کرتے تھے۔

اگرچہ وہ ہمارے نزدیک ایک بے دین کی سی حیثیت رکھتے ہیں لیکن وہ پڑھے لکھے ضرور تھے، ان کے سینوں میں علم اور ان کے ذہنوں میں فکر تھی، جو انہیں کچھ سوچنے اور بولنے پر مجبور کر رہی تھی یہ اور بات ہے کہ وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے۔ ان میں کچھ سریانی زبان بولتے تھے اور کچھ یونانی زبان جانتے تھے، کچھ ایرانی تھے کہ فارسی بولتے تھے۔ کچھ ہندی زبان جانتے تھے۔ سر زمین ہند سے کافی زندیق منگوائے گئے تھے۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ زندیقیوں کا وجود کہاں سے شروع ہوا اور اس کی وجہ کیا ہے؟ اس دور کی ایک اور بات کہ لوگ افراط و تفریط کا شکار ہو گئے تھے۔ کچھ لوگ صوفیوں اور خشک مقدس مولویوں کے روپ میں سامنے آ گئے۔ یہ صوفی حضرات بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں وارد ہوئے۔ انہوں نے بہت جلد اپنا ایک مستقل اور الگ گروہ بنا لیا۔ یہ کھلے عام تبلیغ کرتے تھے۔

یہ لوگ اسلام کے خلاف کوئی بات نہ کرتے بلکہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ اصل اسلام وہی

ہے کہ جو یہ کہہ رہے ہیں۔ ان خشک مقدس مولویوں نے لوگوں میں عجیب قسم کا نظریہ پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کا ظاہری صالحانہ، عابدانہ اور زاہدانہ انداز اختیار کرنا زبردست کشش کا باعث بنا اور یہ خالص اور حقیقی دین اسلام کے لیے زبردست خطرے کا باعث تھا خوارج بھی اسی نظریہ کی پیداوار ہیں۔

امام جعفر صادق (ع) اور مختلف مکاتب فکر:

ہم دیکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اتنی بڑی مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود مختلف فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کی اسلامی طریقے سے تربیت کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ قرأت اور تفسیر میں امام علیہ السلام نے انتہائی قابل ترین شاگرد تیار کیے جو لوگوں کو قرآن مجید کی صحیح طریقے سے تعلیم دیتے اور ان کو صحیح تفسیر سے متعارف کراتے، جہاں کہیں کسی قسم کی غلطی دیکھتے فوراً پکار اٹھتے اور بروقت اصلاح کرنے کی کوشش کرتے۔ پھر ایسے ہونہار طلبہ بھی میدان میں آئے جو علم حدیث میں پوری طرح سے مہارت رکھتے۔ نا سمجھ لوگوں کو بتایا جاتا کہ حدیث صحیح ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کا سلسلہ پیغمبر اسلام (ص) تک پہنچتا ہے اور یہ حدیث من گھڑت ہے۔

فقہی مسائل کے حل اور لوگوں کی شرعی احکام میں تربیت کے لیے آپ کے لائق ترین شاگردوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔ جولوگ فقہ سے نا آشنائی رکھتے یہ نوجوان طلبہ قریہ قریہ جا کر لوگوں کو حلال و حرام اور دیگر مسائل فقہی کی تعلیم دیتے۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اہل سنت کے تمام بڑے مذہبی رہنما کسی نہ کسی حوالے سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے علمی فیض حاصل کرتے رہے ہیں۔ تاریخ کی تمام کتب میں درج ہے کہ جناب ابو حنیفہ دو سال تک امام علیہ السلام سے پڑھتے رہے ہیں۔ جناب ابو حنیفہ کا ایک قول بہت مشہور ہے اور یہ قول تمام کتب اہل سنت میں موجود ہے کہ ملت حنیفہ کے سربراہ جناب ابو حنیفہ نے فرمایا کہ

"لولا السنتان لهلك نعمان"

اگر میں نے وہ دو سال امام علیہ السلام کی شاگردی میں نہ گزارے ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔

جناب ابو حنیفہ کا اصل نام نعمان ہے۔ کتب میں آپ کو نعمان بن ثابت بن زوطی بن مرزبان، کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد ایرانی تھے۔

اسی طرح اہلسنت کے دوسرے امام جناب مالک بن انس امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ جناب مالک نے بھی امام علیہ السلام سے کسب فیض کیا اور عمر بھر اس پر فخر کرتے رہے۔ امام شافعی کا دور بعد کا دور ہے انہوں نے جناب ابو حنیفہ کے شاگردوں، مالک بن انس اور احمد بن حنبل سے استفادہ کیا۔ لیکن ان کے اساتذہ کا سلسلہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ اپنے وقت کے چند علماء، فقہاء، محدثین امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی و دینی فیوضیات سے مستفیض ہوئے۔ امام علیہ السلام کے حلقہ درس میں علماء و فضلاء کا تمام وقت رش لگا رہتا تھا۔ اب میں اہل سنت کے بعض علماء کے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں تاثرات پیش کرتا ہوں اس امید کے ساتھ کہ ہمارے محترم قارئین اسے پسند فرمائیں گے۔

امام جعفر صادق (ع) کے بارے میں جناب مالک کے تاثرات:

جناب مالک بن انس مدینہ میں رہائش پزیر تھے۔ نسبتاً خود پسند انسان تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں جب بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ کو ہمیشہ اور ہر وقت ہنستا مسکراتا ہوا پاتا۔

"وكان كثير التبسم"

آپ کے ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ کے پھول کھلے ہوئے رہتے تھے۔"

گویا آپ کو میں نے ہمیشہ خوش اخلاق پایا۔ آپ کی ایک عادت یہ تھی کہ جب آپ کے سامنے پیغمبر اسلام (ص) کا نام مبارک لیا جاتا تو آپ کے چہرے کا رنگ یکسر بدل جاتا۔ میں اکثر اوقات امام علیہ السلام کے پاس آتا رہتا تھا۔ آپ اپنے زمانے کے عابد و زاہد انسان تھے۔ تقویٰ و پرہیز گاری اور راستبازی میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ جناب مالک ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ امام علیہ السلام کے ہمراہ تھا جب ہم مدینہ سے نکل کر مسجد الشجرہ پر پہنچے تو ہم نے احرام باندھ لیا ہم چاہتے تھے کہ لبیک کہیں اور رسمی طور پر محرم ہو جائیں، چنانچہ ہم نے لبیک کہنا شروع کیا اور احرام باندھا تو میری نگاہ امام علیہ السلام پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ اقدس کا رنگ یکسر بدل گیا ہے، اور آپ کا بدن کانپ رہا ہے۔ یوں لگتا تھا کہ شاید سواری سے گر جائیں۔ خدا خوفی کی وجہ سے آپ پر عجیب قسم کی کیفیت طاری تھی۔ میں نے عرض کیا اے فرزند رسول (ص) ! اب آپ لبیک کہہ ہی دیں تو آپ نے فرمایا میں کیا کہوں اور کیسے کہوں اگر میں لبیک کہتا ہوں؟ تو مجھے جواب ملے کہ لا لبیک تو اس وقت میں کیا کروں گا؟ اس روایت کو آقا شیخ عباس قمی اور دوسرے مورخین نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ اس روایت کے راوی جناب مالک بن انس ہیں جو اہل سنت حضرات کے بہت بڑے امام ہیں جناب مالک کا کہنا ہے کہ:

ما رات عين ولا سمعت اذن ولا خطر على قلب بشر افضل من جعفر بن محمد۔

آنکھ نے نہیں دیکھا کان نے نہیں سنا اور کسی کے خیال خاطر میں نہیں آیا کہ کوئی مرد امام جعفر صادق علیہ السلام سے افضل نظر سے گزرا ہو۔"

محمد شہرستانی جو کتاب الملل والنحل کے مصنف ہیں آپ پانچویں ہجری میں بہت بڑے عالم، متکلم، فلسفی ہو کر گزرے ہیں۔ دینی و مذہبی اور فلسفیانہ اعتبار سے یہ کتاب دنیا بھر میں مشہور ہے۔ مصنف کتاب ایک جگہ پر امام جعفر صادق علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"هو ذو علم غرير"

کہ آپ کا علم ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔"

و ادب کامل فی الحکمة"

حکمت میں ادب کامل تھے۔"

وزهد فی الدنيا وورع تام عن الشهوات"

آپ غیر معمولی پر متقی و پرهیز گار تھے آپ خواہشات نفسانی سے دور رہتے تھے۔"

ويفيض على الموالى له اسرار العلوم ثم (دخل العراق)

آپ سرزمین مدینہ میں رہ کر دوستوں اور لوگوں کو علم کی خیرات بانٹتے تھے۔" پھر آپ عراق تشریف لے آئے یہ مصنف امام علیہ السلام کی سیاست سے کنارہ کشی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔"

و لا نازع فی الخلافة احدا"

کہ آپ نے خلافت کے مسئلہ پر کسی سے کسی قسم کا اختلاف و نزاع نہ کیا۔

اس کنارہ گیری کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ آپ علم و معرفت کے سمندر میں غوطہ زن رہتے تھے اس لیے دوسرے کاموں کے لیے آپ کے پاس وقت ہی نہ تھا۔ میں محمد شہرستانی کی توجیہ کو صحیح نہیں سمجھتا۔ میرا مقصود اس سے یہ ہے کہ اس نے کھلے لفظوں میں امام کی غیر معمولی معرفت کا اعتراف کیا ہے لکھتا ہے۔

"ومن غرق فی بحر المعرفة لم یقع فی شط"

کہ جو دریائے معرفت میں ڈوبا ہوا ہو وہ خود کو کنارے پر نہیں لے آئے گا" اس کے نزدیک خلافت و حکومت ایک سطحی سی چیزیں ہیں جبکہ علم و معرفت کی بات ہی کچھ اور ہے۔

ومن تعلی الی ذروة الحقیقة لم یخف من حط

کہ جو حقیقت کی بلند و بالا چوٹیوں پر پہنچ جائے وہ نیچے کی طرف آنے سے کیسے ڈرے گا۔"

با وجودیکہ شہرستانی شیعوں کا مخالف شخص ہے، لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں مدحت سرائی کر رہا ہے۔ اس نے اپنی کتاب الملل و النحل میں شیعوں کے خلاف بہت زیادہ زہر اگلا ہے۔ لیکن اس نے امام علیہ السلام کو بہت ہی اچھے لفظوں کے ساتھ یاد کیا ہے۔ اگرچہ یہ دشمن تھا لیکن حقیقت کو ماننے پر مجبور ہو گیا۔ یہ نہ مانتا تو کیسے نہ مانتا؟ امام جعفر صادق علیہ السلام جیسا کوئی ہوتا تو یہ سامنے لاتا۔ سورج کا بھلا چراغوں سے کیسے مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ اب بھی دنیا میں ایسے علماء موجود ہیں جو شیعیت کے سخت دشمن ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیحد احترام کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شیعہ حضرات سے جن باتوں پر ہمارا اختلاف ہے۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان کردہ باتوں میں نہیں ہے کیونکہ صادق آل محمد علیہم السلام ایک انتہائی باکمال شخصیت و بے نظیر حیثیت کے مالک انسان تھے اور آپ کی علمی خدمات اور دینی احسانات کو کبھی اور کسی طور بھی نہیں بھلایا جا سکتا۔

احمد آمین کی رائے فجر الاسلام، ضحیٰ الاسلام، ظہر الاسلام، یوم الاسلام یہ احمد آمین کی معروف ترین کتب ہیں۔ احمد آمین ہمارے ہم عصر عالم دین ہیں۔ اور یہ شیعوں کے سخت مخالف ہیں۔ ان کو مذہب شیعہ کے بارے میں ذرا بھر علم نہیں ہے۔ سنی سنائی باتوں کو وجہ اعتراض بنا کر شیعوں کے خلاف اپنی کتابوں میں انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ حالانکہ اس سطح اور اس پائے کے عالم دین کو حق کو سامنے رکھ کر حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ لیکن انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی جتنی تعریف کی ہے اتنی کسی اور سنی عالم نے نہیں کی۔ امام علیہ السلام کے فرامین اور ارشادات کی تفسیر و تشریح اس انداز میں کی ہے کہ کوئی عالم دین بھی نہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی سیرت اور تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ ملت اسلامیہ، مذہب جعفریہ کے بارے میں ذرا بھر بھی تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ کاش وہ شیعوں کے بارے میں حقیقت پسندی سے کام لیتے اور ایک عظیم اور شریف ملت پر الزامات عائد کر کے اپنی کتب کے صفحات کو سیاہ نہ کرتے؟

جاحظ کا اعتراف:

میرے نزدیک جاحظ کی علمی صلاحیت اور دینی قابلیت دوسرے سنی علماء سے بڑھ کر ہے۔ یہ شخص دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل کا سب سے بڑا عالم ہے۔ یہ شخص ذہانت و متانت کا عظیم شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ غیر معمولی حد تک صاحب مطالعہ تھا۔ جاحظ نہ صرف اپنے عہد کا بہت بڑا ادیب ہے بلکہ ایک بہت بڑا محقق اور مورخ بھی ہے انہوں نے حیوان شناسی پر ایک کتاب الحیوان تحریر کی تھی آج یہ کتاب یورپی سائنسدانوں کے نزدیک بہت اہمیت رکھتی ہے۔ بلکہ ماہرین حیوانات اس کتاب پر نئے نئے تحقیقات کر رہے ہیں۔ جانوروں اور حیوانات کے بارے میں اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہے۔ یہ کتاب اس دور میں لکھی گئی جب یونان اور غیر یونان میں جدید علوم نے اتنی ترقی نہ کی تھی۔ اس وقت ان کے پاس کسی قسم کا مواد نہ تھا۔ انہوں نے اپنی طرف سے حیوانات پر تحقیق کر کے دنیا بھر کے جدید و قدیم ماہرین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

جاحظ ایک متعصب سنی عالم ہے۔ انہوں نے شیعوں کے ساتھ مناظرے بھی کئے اور انتہا پسندی کے باعث شیعہ حضرات ان کو ناصبی بھی کہتے ہیں۔ لیکن میں ذاتی طور پر کم از کم ان کو ناصبی نہیں کہہ سکتا۔ یہ شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور کا عالم ہے۔ ہوسکتا ہے اس نے امام علیہ السلام کا آخری دور پایا ہو؟ شاید یہ اس وقت بچہ ہو یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام علیہ السلام کا دور ایک نسل قبل کا دور ہو۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کا دور اور امام علیہ السلام ایک دوسرے کے بہت قریب ہے۔ بھر حال جاحظ امام جعفر صادق (ع) کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

جعفر بن محمد الذی ملأ الدنيا علمه و فقہہ

کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے پوری دنیا کو علم و دانش اور معرفت و حکمت سے پر کر دیا ہے۔

ویقال ان ابا حنیفة من تلامذته و كذلك سفیان الثوری

کہا جاتا ہے کہ جناب ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کا شمار امام علیہ السلام کے شاگردان خاص میں سے ہوتا ہے

سفیان ثوری بہت بڑے فقیہ اور صوفی ہو کر گزرے ہیں۔

میر علی ہندی کا نظریہ:

میر علی ہندی ہمارے ہم عصر سنی عالم ہیں وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں اظہارے خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

لا مشاحة ان انتشار العلم في ذلك الحين قد ساعد على فك الفكر من عقاله

علوم کا پھیلاؤ اس زمانے میں ممکن بنایا گیا اور لوگوں کو فکری آزادی ملی اور ہر طرح کی پابندیاں ختم کر دی گئیں۔"

فاصلت المناقشات الفلسفية عامة في كل حاضرة من حواضر العالم الاسلامي

دنیا بھر کے اسلامی حلقوں میں علمی و عقلی اور فلسفیانہ مباحث کو رواج ملا۔

جناب ہندی مزید لکھتے ہیں کہ:

ولا يفوتنا ان نشير الى ان الذي تزعم تلك الحركة هو حفيد علي ابن ابي طالب المسمى بالامام الصادق

ہم سب کو یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہیے کہ جس عظیم شخصیت نے دنیائے اسلام میں فکری انقلاب کی قیادت کی ہے وہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے پوتے ہیں اور انکا نام نامی امام صادق (ع) ہے۔"

و هو رجل رحب افق التفكير

وہ ایسے انسان تھے کہ جن کا افق فکری بہت بلند ہے یعنی جن کی فکری وسعت کی کوئی حد نہ تھی۔"

بعيد اغوار العقل

ان کی عقل و فکر بہت گہری تھی ۔"

ملم كل المام بعلوم عصره

آپ اپنے عہد کے تمام علوم پر خصوصی توجہ رکھتے تھے۔ جناب ہندی مزید کہتے ہیں ۔

و يعتبر في الواقع هو اول من اسس المدارس الفلسفية المشهورة في الاسلام

در حقیقت سب سے پہلے جس شخصیت نے جدید علمی مراکز قائم کیے ہیں وہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہی ہیں۔"

و لم يكن يحضر حلقة العلمية اولئك الذين اصبحوا مؤسسي المذاهب الفقهية فحسب بل كان يحضرها طلاب

وہ کہتا ہے کہ آپ نہ صرف ابو حنیفہ جیسی بزرگ شخصیت کے استاد تھے بلکہ جدید علوم کی بھی طلبہ کو تعلیم دیا کرتے تھے گویا جدید ترقی امام علیہ السلام کی مرہون منت ہے۔

احمد زکی صالح کے خیالات:

کتاب امام صادق علیہ السلام میں آغا مظفر احمد زکی صالح ماہنامہ الرسالة العصریہ سے نقل کرتے ہیں کہ شیعہ فرقہ کی علمی پیشرفت تمام فرقوں سے زیادہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ علوم کی ترقی اور پیشرفت میں اہل ایران کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ایران میں شیعوں کی اکثریت نہ تھی۔ ابھی ہم اس کے بارے میں بحث نہیں کرتے یہ پھر کبھی سہی یہ مصری لکھتا ہے:

من الجلی الواضح لدی کل من درس علم الکلام الفرق الشیعة کانت انشط الفرق الاسلامیة حركة

کہ واضح سی بات ہے کہ ہر وہ شخص جو ذرا بھر علمی شعور رکھتا ہے وہ اس بات کا معترف ہے کہ شیعہ فرقہ کی مذہبی و علمی پیشرفت تمام فرقوں سے زیادہ ہے۔"

و کانت اولی من اسس المذاهب الدینیة علی اسس فلسفیة حتی ان البعض ینسب الفلسفة خاصة بعلی بن ابی طالب

"یعنی شیعہ پہلا اسلامی مذہب ہے کہ جو دینی مسائل کو فکری و عقلی بنیادوں پر حل کرتا ہے۔ شیعہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں مختلف علوم کو عقلی و فکری لحاظ سے پرکھا جاتا تھا۔ اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ اہل تسنن کی احادیث کی ان کتابوں (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد و صحیح نسائی) میں صرف اور صرف فروعی مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ وضو کے احکام یہ ہیں، نماز کے مسائل کچھ اس طرح کے ہیں۔ روزہ، حج، جہاد، وغیرہ کے احکام یہ ہیں۔ مثال کے طور پر پیغمبر اسلام (ص) نے سفر میں اس طرح عمل فرمایا ہے لیکن آپ اگر شیعہ کی احادیث کی کتب کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے شیعہ احادیث میں سب سے پہلے عقل و جہل کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے، لیکن اہل سنت حضرات کی کتب میں اس طرح کی باتیں موجود نہیں ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کی بنیاد صرف امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں، بلکہ امام صادق علیہ السلام کے ساتھ ساتھ اس میں تمام آئمہ طاہرین علیہم السلام کی کوشش بھی شامل ہیں۔ اس کی اصل بنیاد تو خود حضرت پیغمبر اکرم (ص) کی ذات گرامی ہے۔ اس عظیم مشن کا آغاز حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا اور اسے آگے آل محمد (ص) نے بڑھایا ہے۔

چونکہ امام جعفر صادق (ع) کو کام کرنے کا خوب موقع ملا ہے اس لیے آپ نے اپنے آباء و اجداد کی علمی میراث کو کما حقہ محفوظ رکھا ہے۔ اور اس عظیم ورثہ کو قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے ثمر آور بنادیا۔ ہماری احادیث کی کتب میں کتاب العقل والجهل کے بعد کتاب التوحید آتی ہے۔ ہمارے پاس توحید الہی کے بارے میں ہزاروں مختلف احادیث موجود ہیں۔ ذات خداوندی، معرفت الہی، فضاء و قدر، جبر و اختیار سے

متعلق ملت جعفریہ کے پاس نہ ختم ہونے والا ذخیرہ احادیث موجود ہے۔ شیعہ قوم فخر سے کہہ سکتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور ہمارے جلیل القدر دیگر آئمہ طاہرین نے جتنا ہمیں دیا ہے اتنا کسی اور پیشوا نے اپنی ملت کو نہیں دیا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ فکری، علمی اور عقلی و نظریاتی لحاظ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے نئے علوم کی بنیاد رکھ کر بنی نوع انسان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

جابر بن حیان:

ایک وقت ایسا آیا کہ ایک نئی اور حیرت انگیز خبر نے پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا وہ تھی جابر بن حیان کی علمی دنیا میں آمد۔ تاریخ اسلام کے اس عظیم ہیرو کو جابر بن حیان صوفی بھی کہا جاتا ہے۔ اس دانائے راز نے علمی انکشاف اور سائنسی تحقیقات کے حوالے سے ایک نئی تاریخ رقم کر کے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ ابن الندیم نے اپنی مشہور کتاب الفہرست میں جناب جابر کو یاد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جابر بن حیان ایک سو پچاس علمی و فلسفی کتب کے مصنف و مؤلف ہیں۔ کیمسٹری جابر بن حیان کے فکری احسانات کا صلہ ہے۔ ان کو کیمسٹری کی دنیا میں باپ اور بانی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ابن الندیم کے مطابق جناب جابر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دستر خوان علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔

ابن خلکان ایک سنی مصنف ہے۔ وہ جابر بن حیان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کیمسٹری کا یہ بانی امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ دوسرے مورخین نے بھی کچھ اس طرح کی عبارت تحریر کی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جن جن علوم کی جناب جابر نے بنیاد رکھی ہے وہ ان سے پہلے بالکل وجود ہی نہ رکھتے تھے۔ پھر کیا ہوا کہ جابر بن حیان نے نئی نئی اختراعات ایجاد کر کے جدید ترین دنیا کو حیران کر دیا۔ اس موضوع پر اب تک سینکڑوں کتابیں اور رسالہ جات شائع ہو چکے ہیں۔ دنیا بھر کے سائنسدان اور ماہرین نے جناب جابر کی جدید علمی خدمات کو بیحد سراہتے ہوئے کہا ہے کہ اگر جابر نہ ہوتے تو پوری انسانیت اتنے بڑے علم سے محروم رہتی۔ ایران کے ممتاز دانشور جناب تقی زادہ نے جابر بن حیان کی علمی و دینی خدمات پر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ میرے خیال میں جابر کے متعلق بہت سی چیزیں مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ شیعہ کتب میں بھی جناب جابر جیسے عظیم ہیرو کا تذکرہ بہت کم ہوا ہے۔ یہاں تک کہ بعض شیعہ علم رجال اور حدیث کی کتابوں میں اسی بزرگ ہستی کا نام کہیں پہ استعمال نہیں ہوا۔ ابن الندیم شائد شیعہ ہو اس لئے انہوں نے جناب جابر کا نام اور تذکرہ خاص اہتمام اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پوری دنیا کو بالآخر ماننا پڑا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس طرح لائق و فائق علماء تیار کئے ہیں اتنے اور کسی مذہب نے پیشوا نہیں کئے۔

ہشام بن الحکم:

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک اور معروف شاگرد کا نام ہشام بن الحکم ہے۔ یہ شخص واقعاً نابغہ روزگار ہے، اپنے دور کے تمام دانشوروں پر ہمیشہ ان کو برتری حاصل رہی ہے۔ آپ جب بھی کسی موضوع پر بات چیت کرتے تو سننے والوں کو مسحور کر دیتے۔ اس مرد قلندر کی زبان میں عجیب تاثیر تھی۔ جناب ہشام سے بڑے بڑے علماء آکر شوق و ذوق کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے اور سمندر علم کی جولانیوں اور طوفان خیزیوں کو دیکھ کر وہ اپنے اندر ایک خاص قسم کا اطمینان و سکون حاصل کرتے۔ یہ سب کچھ میں اہل سنت

بھائیوں کی کتب سے پیش کر رہا ہوں۔ ابو الہزیل علاف ایک ایرانی النسل دانشور تھے۔ آپ علم کلام کے اعلیٰ پایہ کے ماہر تسلیم کیے جاتے تھے۔ شبلی نعمانی تاریخ علم کلام میں لکھتا ہے کہ ابو الہزیل کے مقابلے میں کوئی شخص بحث نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن یہی ابو الہزیل ہشام بن الحکم کے سامنے آنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ جناب ہشام نے جدید علوم میں جدید تحقیق کو رواج دیا۔ آپ نے طبعیات کے بارے میں ایسے ایسے اسرار و رموز کو بیان کیا ہے کہ وہ لوگوں کے وہم و خیال میں بھی نہ تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ رنگ و بو انسانی جسم کا ایک مستقل جزو ہے اور وہ ایک ایسی چیز ہے جو فضا میں پھیل جاتی ہے۔

ابو الہزیل ہشام کے شاگردوں میں سے تھا اور وہ اکثر اپنی علمی آراء میں اپنے استاد محترم جناب ہشام کا حوالہ ضرور دیا کرتے تھے۔ اور ہشام امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی پر نہ فقط فخر کیا کرتے تھے بلکہ خود کو "خوش نصیب" کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے تعلیم و تربیت اور تہذیب و تمدن کے فروغ اور احیاء کے لیے شب و روز کام کیا۔ فرصت کے لمحوں کو ضروری اور اہم کاموں پر استعمال کیا، چونکہ ہمارے آئمہ میں سے کسی کو کام کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام واحد ہستی ہیں کہ جنہوں نے بہت کم عرصے میں صدیوں کا کام کر دکھایا۔ پھر امام رضا علیہ السلام کو بھی علمی و دینی خدمات کے حوالے سے کچھ کام کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ ان کے بعد فضا بدتر ہوتی چلی گئی، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا دور انتہائی مصیبتوں، پریشانیوں اور دکھوں کا دور ہے۔ آپ پر حد سے زیادہ پابندیاں عائد کر دی گئیں، بغیر کسی وجہ اور جرم و خطا کے آپ کو زندگی بھر زندانوں میں رہ کر اسیرانہ زندگی بسر کرنی پڑی۔

ان کے بعد دیگر آئمہ طاہرین علیہم السلام عالم جوانی میں شہید کر دیئے گئے۔ ان کا دشمن بھی کتنا بزدل تھا کہ اکثر کو زہر کے ذریعہ شہید کر دیا گیا۔ ان پر عرصہ حیات اس لیے تنگ کر دیا تھا کہ وہ علم و عمل کے فروغ اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کام نہ کر سکیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کو ایک تو کام کرنے کا موقع مل گیا دوسرا آپ نے عمر بھی لمبی پائی تقریباً ستر سال تک زندہ رہے۔

اب یہ صورت حال کس قدر واضح ہو گئی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ادوار میں کتنا فرق تھا؟ امام عالی مقام علیہ السلام کو ذرا بھر کام کرنے کا موقعہ نہ مل سکا، یعنی حالات ہی اتنے ناگفتہ بہ تھے کہ مصیبتوں اور مجبوریوں کی وجہ سے سخت پریشان رہے۔ پھر انتہائی بے دردی کے ساتھ آپ کو شہید کر دیا گیا، لیکن آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی مظلومیت نے پوری دنیا میں حق و انصاف کا بول بالا کر دیا اور ظالم کا نام اور کردار ایک گالی بن کر رہ گیا۔

امام حسین علیہ السلام کے لیے دو ہی صورتیں تھیں ایک یہ کہ آپ خاموش ہو کر بیٹھ جاتے اور عبادت کرتے دوسری صورت وہی تھی جو کہ آپ نے اختیار کی، یعنی میدان جہاد میں اتر کر اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کو حالات و واقعات نے کام کرنے کا وقت اور موقعہ فراہم کر دیا۔ شہادت تو آپ کو نصیب ہونی تھی۔ آپ کو جو نہی موقعہ ملا آپ نے چہار سو علم کی شمعیں روشن کر کے جگہ جگہ روشنی پھیلا دی۔ علم کی روشنی اور عمل کی خوشبو نے ظلمت و جہالت میں ڈوبے ہوئے معاشرے کو از سر نو زندہ کر کے اسے روشن و منور کر دیا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آئمہ اطہار (ع) کی زندگی کا مقصد اور مشن اور طریقہ کار ایک جیسا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر امام صادق علیہ السلام نہ ہوتے تو امام حسین علیہ

السلام بھی نہ ہوتے۔ اسی طرح امام حسین (ع) نہ ہوتے تو امام صادق (ع) نہ ہوتے۔ یہ ہستیاں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ظلم اور باطل کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی۔ پھر آنے والے آئمہ اطہار (ع) نے ان کے فلسفہ شہادت اور مقصد قیام کو عملی لحاظ سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

امام جعفر صادق (ع) نے اگرچہ حکومت وقت کے خلاف علانیہ طور پر جنگ شروع نہیں کی تھی۔ لیکن یہ بھی پوری دنیا جانتی ہے کہ آپ حکام وقت سے نہ فقط دور رہے بلکہ خفیہ طور پر ان کے ساتھ بھرپور مقابلہ بھی کیا۔ ایک طرح کی امام علیہ السلام سرد جنگ لڑتے رہے۔ آپ (ع) کی وجہ سے اس وقت کے ظالم حکمرانوں کی ظالمانہ کاروائیوں کی داستانیں عام ہوئیں اور ان کی آمریت کا جنازہ اس طرح اٹھا کہ مستحق لعن و نفرین ٹہرے، یہی وجہ ہے کہ منصور کو مجبور ہو کر کہنا پڑا کہ:

"هذا الشجی معترض فی الحلق"

کہ جعفر بن محمد میرے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی کے مانند ہیں۔ میں نہ ان کو باہر نکال سکتا ہوں اور نہ نگلنے کے قابل رہا ہوں نہ میں ان کا عیب تلاش کر کے ان کو سزا دے سکتا ہوں، اور نہ ان کو برداشت کرسکتا ہوں۔"

یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ ہمارے خلاف ہے۔۔۔۔۔ برداشت کر رہا ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ امام علیہ السلام نے ہمارے خلاف لوگوں کو ایک نہ ایک دن اکٹھا کر ہی لینا ہے۔ اس کے باوجود بھی میں اتنا بے بس ہوں کہ ان کے خلاف ذرا بھر اقدام نہیں کرسکتا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنی حسن سیاست اور بہترین حکمت عملی کی بدولت اپنے مکار، عیار اور با اختیار دشمن کو بے بس کیے رکھا۔ ہم سب پر لازم ہے کہ اپنے دشمنوں، مخالفوں کے مقابلے میں ہمہ وقت تیار رہیں۔ ہوشیاری و بیداری کے ساتھ ساتھ ہمارا قومی و ملی اتحاد بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ہمارا بزدل دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے۔ وہ کسی وقت بھی ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے۔ طاقت و غلبہ کے تصور کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو وقت کی نبض تھام کر سوچ سمجھ کر آگے بڑھتے ہیں اور پھر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

علمی پیشرفت کے اصل محرکات:

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور امامت میں غیر معمولی طور پر ترقی ہوئی ہے۔ معاشرہ میں فکر و شعور کو جگہ ملی گویا سوئی ہوئی انسانیت ایک بار پھر پوری توانائی کے ساتھ جاگ اٹھی، بحثوں، مذاکروں اور مناظروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ انہی مذاکرات سے اسلام کو بہت زیادہ فائدہ ہوا، علمی ترقی اور پیشرفت کے تین بڑے محرکات ہمیں اپنی طرف متوجہ کرنے ہیں۔ پہلا سبب یہ تھا کہ اس وقت پورے کا پورا معاشرہ مذہبی تھا۔ لوگ مذہبی و دینی نظریات کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔

پھر قرآن و حدیث میں لوگوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ لوگوں سے کہا گیا تھا کہ جو جانتے

ہیں وہ نہ جاننے والوں کو تعلیم دیں، حسن تربیت کی طرف بھی اسلام نے خصوصی توجہ دی ہے۔ یہ محرک تھا کہ جس کی وجہ سے علم و دانش کی اس عالمگیر تحریک کو بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے قافلے کے قافلے اس کا رواں علم میں شامل ہو گئے۔ دوسرا عامل یہ تھا کہ مختلف قوموں، قبیلوں، علاقوں اور ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان افراد کو تحصیل علم سے خاص لگاؤ تھا۔ تیسرا محرک یہ تھا کہ اسلام کو ہی وطن قرار دیا گیا یعنی جہاں اسلام ہے اس شہر، علاقے اور جگہ کو وطن سمجھا جائے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس وقت جتنے بھی ذات پات اور نسل پرستی تصورات تھے وہ اسی وقت دم توڑ گئے۔ اخوت و برادری کا تصور رواج پکڑنے لگا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اگر استاد مصری ہے تو شاگرد خراسانی یا شاگرد مصری ہے تو استاد خراسانی، ایک بہت بڑا دینی مدرسہ تشکیل دیا گیا۔ آپ کے حلقہ درس میں نافع، عکرمہ جیسے غلام بھی درس میں شرکت کرتے ہیں، پھر عراقی، شامی، حجازی، ایرانی، اور ہندی طلبہ کی رفت و آمد شروع ہو گئی۔ دینی ادارے کی تشکیل سے لوگوں کا آپس میں رابطہ بڑھا اور اس سے ایک ہمہ گیر انقلاب کا راستہ ہموار ہوا۔ اس زمانے میں مسلم، غیر مسلم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے۔ رواداری کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی کسی کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری موجود تھے۔ وہ مسلمانوں اور ان کے علماء کا دلی طور پر احترام کرتے بلکہ غیر مسلم مسلمانوں کے علم و تجربہ سے استفادہ کرتے۔ پھر کیا ہوا؟ کہ دوسری صدی میں مسلمانوں کی اقلیت اکثریت میں بدل گئی۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ کرنا کافی حد تک مفید ثابت ہوا۔ حدیث میں بھی ہے کہ اگر آپ کو کسی علم یا فن کی ضرورت پڑے اور مسلمانوں کے پاس نہ ہو تو وہ غیر مسلم سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ نہج البلاغہ میں اس چیز کی تاکید کی گئی ہے اور علامہ مجلسی (رح) نے بحار میں تحریر فرمایا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"خذوا الحکمة و لو من مشرک"

یعنی اگر آپ کو مشرک سے بھی علم و حکمت حاصل کرنا پڑے تو وہ ضرور حاصل کریں۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

"الحکمة ضالة المؤمن یاخذها اینما وجدھا"

یعنی حکمت مومن کا گم کردہ خزانہ ہے اس کو حاصل کرو چاہے جہاں سے بھی ملے۔

بعض جگہوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"و لو من ید مشرک"

کہ خواہ پڑھانے والا مشرک ہی کیوں نہ ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔

اور جس کو (خدا کی طرف سے) حکمت عطا کی گئی تو اس میں شك ہی نہیں کہ اسے خوبیوں کی بڑی دولت ہاتھ لگی۔

واقعاً صحیح ہے کہ علم مومن کا گمشدہ خزانہ ہے اگر انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ اس کے لئے کتنا پریشان ہوتا ہے اور اس کو کس طرح تلاش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کی ایک قیمتی انگوٹھی ہو اگر وہ گم ہو جائے، تو آپ جگہ جگہ چھان ماریں گے اور اگر وہ آپ کو مل جائے تو بہت زیادہ خوشی ہوگی۔ علم سے زیادہ قیمتی چیز کونسی ہو سکتی ہے اس کو تلاش کرنے اور طلب کرنے کیلئے انسان کو اتنی محنت کرنی چاہیے۔ اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ تعلیم دینے والا اور فن سیکھانے والا مومن و مسلمان ہی ہو، بلکہ آپ علوم اور جدید ٹیکنالوجی کافروں، مشرکوں سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے "مومن علم کو کافر کے پاس عارضی مال کے طور پر دیکھتا ہے اور خود کو اس کا اصلی مالک سمجھتا ہے" اور وہ خیال کرتا ہے کہ علم کا لباس مومن ہی کو جچتا ہے کافر کو نہیں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اس بات کا سبب بنا کہ وہ تحقیق و تلاش کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ایک وقت تھا کہ مسلمان، عیسائی، یہودی، مجوسی وغیرہ سب ایک جگہ، ایک شہر، ایک محلہ میں رہتے تھے۔ وہ انتہا پسندی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ بات پورے معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوئی۔ مشہور مورخ جرجی زیدان نے اس وسعت قلبی کو انسانی معاشرہ بالخصوص مسلمانوں کے لیے نیک شگون قرار دیا ہے۔ وہ سید رضی کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سید رضی اپنے دور کے بہت بڑے عالم دین تھے بلکہ غیر معمولی طور پر درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ آپ سید مرتضیٰ علم الہدی کے چھوٹے بھائی تھے جب ان کے ہم عصر عالم دین ابو اسحاق صابی نے انتقال کیا تو رضی نے ان کی شان میں ایک قصیدہ کہا۔ ابو اسحاق صابی مسلمان نہ تھے یہ مجوسی فرقے سے ملتے جلتے خیالات کے حامل تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عیسائی ہوں۔ یہ اعلیٰ پایہ کے ادیب، ممتاز دانشور تھے۔ ادیب ہونے کے ناطے سے قرآن مجید سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔ وہ اپنی تحریر و تقریر میں قرآن مجید کی متعدد آیات کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ ماہ رمضان میں دن کو کوئی چیز نہیں کھاتے تھے۔ کسی نے ان سے پوچھ لیا کہ آپ ایک غیر مسلم ہیں تو رمضان میں دن کو کھاتے پیتے کیوں نہیں ہیں تو کہا کرتے تھے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم افراد معاشرہ کا احترام کرتے ہوئے ان کی مذہبی اقدار کا احترام کریں چنانچہ سید رضی نے کہا۔

ارایت من حملوا علی الاعواد

ارایت کیف خبا ضیاء النادی

کیا آپ نے دیکھا کہ یہ کون شخص تھا کہ جس کو لوگوں نے تابوت میں رکھ کر اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا؟ کیا آپ نے سمجھا ہے کہ ہماری محفلوں کا چراغ بجھ گیا ہے؟ یہ ایک پہاڑ تھا جو گرگیا کچھ لوگوں نے سید رضی پر اعتراض کیا کہ آپ ایک سید، اولاد پیغمبر اور بزرگ عالم دین ہوتے ہوئے ایک کافر کی تعریف کی ہے؟ فرمایا جی ہاں:

کہ میں نے اس کے علم کا مرثیہ کہا ہے۔"

وہ ایک بہت بڑا عالم تھا، دانشمند تھا میں نے اس پر اس لیے مرثیہ کہا کہ اہل علم ہم سے جدا ہو گیا ہے، اگر اس زمانے میں ایسا کیا جائے تو لوگ اس عالم کو شہر بدر کردیں گے۔ جرجی زیدان کہتا ہے کہ ایک جلیل القدر عالم دین نے حسن اخلاق اور رواداری کا مظاہرہ کر کے اپنی خاندانی عظمت اور اسلام کی پاسداری کا عملی ثبوت دیا ہے۔ سید رضی حضرت علی علیہ السلام کے ایک لحاظ سے شاگرد تھے۔ کہ انہوں نے مولا امیر المومنین علیہ السلام کے بکھرے ہوئے کلام کو جمع کر کے نہج البلاغہ کے نام سے ایک ایسی کتاب تالیف کی کہ جسے قرآن مجید کے بعد بہت زیادہ احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ سید رضی اپنے جد امجد پیغمبر اسلام (ص) اور حضرت علی علیہ السلام کی تعلیمات سے بہت زیادہ قریب تھے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ علم و حکمت جہاں کہیں بھی ملے اسے لے لو۔ یہ تھے وہ محرکات کہ جن کی وجہ سے لوگوں میں فکری و نظریاتی اور شعوری طور پر پختگی پیدا ہوئی اور تعلیم و تربیت، علم و عمل کے حوالے سے جتنی بھی ترقی ہے یہ سب کچھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔ پس ہماری گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو ظاہری حکومت نہیں ملی اگر مل جاتی تو آپ اور بھی بہتر کارنامے انجام دیتے لیکن آپ کو جس طرح اور جیسا بھی کام کرنے کا موقع ملا آپ نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر بے شمار قابل ستائش کام کیے۔ مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے جتنے بھی علمی و دینی کارنامے تاریخ میں موجود ہیں وہ سب صادق آل محمد علیہ السلام کے مربون منت ہیں۔

شیعہ تعلیمی مراکز تو روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ اہل سنت بھائیوں کے تعلیمی و دینی مراکز میں امام علیہ السلام کے پاک و پاکیزہ علوم کی روشنی ضرور پہنچی ہے۔ اہل سنت حضرات کی سب سے بڑی یونیورسٹی الازہر کو صدیوں قبل فاطمی شیعوں نے تشکیل دیا تھا اور جامعہ ازہر کے بعد پھر اہل تسنن کے مدرسے اور دینی ادارے بنتے چلے گئے۔ ان لوگوں کے اس اعتراض (کہ امام علیہ السلام میدان جنگ میں جہاد کرتے تو بہتر تھا؟) کا جواب ہم نے دے دیا ہے ان کو یہ بات بھی بغور سننی چاہیے کہ اسلام جنگ کے ساتھ کبھی نہیں پھیلا بلکہ اسلام تو امن و سلامتی کا پیامبر ہے۔ مسلمان تو صرف دفاع کرنے کا مجاز ہے، آپ اسے جہاد کے نام سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ امام علیہ السلام کی حلم و بردباری اور حسن تدبیر نے نہ فقط ماحول کو خوشگوار بنایا بلکہ لوگوں کو شعور بخشا، علم جیسی روشنی سے مالا مال کر دیا، اسلام اور مسلمانوں کی عظمت و رفعت میں اضافہ ہوا۔

باقی رہا یہ سوال کہ آئمہ طاہرین (ع) عنان حکومت ہاتھ میں لے کر اسلام اور مسلمانوں کی بخوبی خدمت کر سکتے تھے انہوں نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا پر امن رہنے کے باوجود بھی ان کو جام شہادت نوش کرنا پڑا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالات اس قدر بھی سازگار و خوشگوار نہ تھے کہ آئمہ اطہار (ع) کو حکومت و خلافت مل جاتی؟ امام علیہ السلام نے حکمرانوں سے ٹکرانے کی بجائے ایک اہم تعمیری کام کی طرف توجہ دی۔ علماء فضلاء، فقہاء اور دانشور تیار کر کے آپ نے قیامت تک کے انسانوں پر احسان عظیم کر دیا۔ وقت وقت کی بات ہے

آئمہ طاہرین علیہم السلام نے ہر حال، ہر موقعہ پر اسلام اور مظلوم طبقہ کی بھرپور طریقے سے ترجمانی کی۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کو مامون کی مجلس میں جانے کا موقعہ ملا آپ نے سرکاری محفلوں اور حکومتی میٹنگوں میں حق کی کھل کر ترجمانی کی اور جیسے بھی بن پڑا غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کی۔ امام رضا علیہ السلام دو سال تک مامون کے قریب رہے۔ اس دور میں آپ سے کچھ نہ کچھ احادیث نقل کی گئیں اس کے بعد آپ کی کوئی حدیث نظر نہیں آتی۔ دوسرے لفظوں میں مامون کے دور میں آپ کو دین اسلام کی ترویج کیلئے کام کرنے کا موقعہ ملا اس کی وجہ مامون کی قربت ہے اس کے بعد پابندیوں کا دور شروع ہو گیا۔ آپ جو کرنا چاہتے تھے وہ بندشوں اور رکاوٹوں کی نظر ہو گیا۔ پھر آپ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ جو آپ کے باپ دادا کے ورثہ میں شامل تھا۔

التماس دعا